حیاتِ مؤمن
کے
آخری لمحات

مُصنّف
علی اصغر چوہدری

حِرا پبلیکیشنز
اُردو بازار ● لاہور

786

حیاتِ مؤمن
کے
آخری لمحات

(ترمیم و اضافہ کیساتھ)

مُصنّف
علی اصغر چوہدری

حِرا پبلیکیشنز
اُردو بازار ● لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

مصنّف ——————— علی اصغر چودھری
نام کتاب ——————— حیاتِ مؤمن کے آخری لمحات
طبع دوم ——————— ایک ہزار
ناشر ——————— شفیق الاسلام فاروقی
مطبع ——————— میٹرو پرنٹرز لاہور
قیمت ——————— -/۳۹ روپے صرف

حرا پبلی کیشنز ۳/۱۴ فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	عرض ناشر	
۱	ابتدائیہ	۶
۲	آخری سفر سے متعلق ایک ضروری اعلان	۱۱
۳	انسان اور کائنات	۱۴
۴	مقصدِ حیات	۱۸
۵	غور و فکر اور عمل و نتیجہ	۲۳
۶	رُوح اور اُس کی حقیقت	۲۷
۷	فکرِ آخرت	۳۱
۸	دنیا ایک جیل خانہ ہے۔	۴۷
۹	موت کا وقت مقرر ہے ۔	۴۹
۱۰	والدین کے حقوق	۵۷
۱۱	عیادت اور تیمار داری	۶۱
۱۲	معذور اور بیمار کی نماز	۶۴
۱۳	خواہشات اور اُن کا علاج	۷۵
۱۴	اعصابی امراض	۷۸
۱۵	خیالی پلاؤ	۸۰

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۸۱	الجھنوں سے نجات کا طریقہ	۱۶
۸۳	تین شدید خواہشیں	۱۷
۸۵	نزع کی تکلیف اور دیدارِ حبیب	۱۸
۸۷	توبہ اور ایمان کی خوشبو	۱۹
۹۱	آخری لمحات احادیث کی روشنی میں	۲۰
۹۷	آخری لمحات میں بشارت	۲۱
۹۹	موت کی تمنّا	۲۲
۱۰۱	منافقین کے آخری لمحات	۲۳
۱۰۳	نزولِ ملائکہ	۲۴
۱۰۶	ملائکہ مومنین کو دعائیں اور بشارتیں دیتے ہیں	۲۵
۱۰۹	موت کے وقت شیطان مومن کو بہکاتا ہے	۲۶
۱۱۴	رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آخری لمحات	۲۷
۱۱۸	خلفائے راشدین رضؓ کے آخری لمحات	۲۸
۱۲۷	امہاتّ المؤمنین کے آخری لمحات	۲۹
۱۳۲	صحابہ کرام رضؓ کے آخری لمحات	۳۰
۱۸۷	بعض بزرگوں کے آخری لمحات	۳۱
۱۹۴	آخری لمحات میں فریبِ شیطانی کے بچاؤ کی تدبیریں	۳۲

عرضِ ناشر

"حیاتِ مومن کے آخری لمحات" کا دوسرا ایڈیشن ترمیم اور اضافہ کے ساتھ قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ عنوان کی مناسبت سے ایڈیشن کی جو گرانقدر پذیرائی ہوئی وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اِس ملک میں دینی ذوق بیدار ہے۔ پہلے ایڈیشن میں یہ محسوس کیا گیا تھا کہ کتاب کا کچھ حصہ موضوعِ کتاب سے مناسبت نہیں رکھتا جس کی طرف مصنف کو توجہ دلائی گئی۔ یہ امر باعثِ خوشی ہے کہ مصنف نے خاکسار کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے مزید تحقیق و تدقیق فرمائی اور غیر ضروری حصہ حذف فرما کر قابلِ قدر اضافہ فرمایا۔ جو اس ایڈیشن کو مزید مقبول بنانے کا باعث ہوگا۔

خاکسار

شفیق الاسلام فاروقی

بروز منگل ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

محسنِ انسانیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

الموت تحفۃ المومنین ۔

(موت مومن کے لیے تحفہ ہے ۔

اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا :

الموت جسر یصل الحبیب الی الحبیب ۔

(موت ایک پُل ہے ۔ جس سے گزر کر آدمی اپنے حبیب سے جا ملتا ہے ۔)

اور یہ بات واضح ہے کہ محبوب حقیقی سے مل جانا یقیناً باعثِ مسرّت و شادمانی ہے ۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موت سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ البتہ اس کے لیے ایمان کی سلامتی درکار ہے ۔ یعنی اگر انسان " اٰمنوا " اور عملوا الصّٰلحٰت" کی دولت سے مالا مال ہو تو پھر واقعی گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ، لیکن اگر اس دولت میں سے کسی ایک جزو کی بھی کمی ہو گی تو پھر اس کیفیت کا حصول اور ادراک ناممکن ہے ۔

اب رہا ان لوگوں اور عزیزوں کا معاملہ جو میّت پر روتے ہیں تو دراصل یہ جانے

والے کی دائمی جدائی پر روتے ہیں کہ یہ نعمت تھی جو ہم سے چھن گئی اور یہ ایک نادر چیز تھی جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی، گویا یہ صدمہ موت پر نہیں ہے، بلکہ فراق پر ہے۔

درا صل موت کی تمنّا ولایت کی علامت اور ایک نعمت ہے۔

کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دُعا فرمائی ہے:

اللّٰھم حبب الموت الی من یعلم اِنّی رسولک۔

(اے اللہ ہر اس شخص کے دل میں موت کی محبت ڈال دے جو میرے نبی ہونے کا قائل ہے)

اس سے ثابت ہوا کہ موت تحفہ بھی ہے، نعمت بھی ہے اور اللہ سے ملنے کا واسطہ بھی ہے۔ اسی لیے اولیاء اللہ ہمیشہ موت کی تمنا کرتے اور یہ کہتے رہتے ہیں:

"وہ کون سا مبارک دن ہو گا، جب ہم اس اجڑے دیار کو چھوڑ کر اپنے محبوب اور مطلوب شہر میں پہنچیں گے۔ جہاں اللہ سے ہمارا رابطہ قائم ہو گا۔"

البتہ اس ضمن میں ایک اشکال کا شبہ ہو سکتا ہے کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے:

لا یتمنین احدکم الموت

(دیکھو! تم میں سے کوئی موت کی تمنّا نہ کرے)

اس طرح بظاہر دونوں احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ:

"دنیا کی مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنّا نہ کرو۔"

یعنی امراض وحوادث یا افلاس وغربت جیسے مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنّا نہ کرو ، بلکہ ان شدائد کا مردانہ وار مقابلہ کرو ، کیونکہ پریشانیوں سے مغلوب ہوکر موت کی تمنّا کرنا اللہ تعالےٰ پر بے اعتمادی کی علامت ہے ۔جو بندگی اور اطاعت کے خلاف ہے۔

موت کی تمنّا تو مومن ہی کرتا ہے ، کیونکہ اُسے اللہ پاک کی ملاقات کا ذوق و شوق سرشار رکھتا ہے ۔ جب کہ کافر زندگی بڑھ جانے کی تمنّا میں بے قرار رہتا ہے اور خود قرآن مجید نے بھی اس کی نشاندہی کی ہے کہ تم ان کفّار کو دنیا کی زندگی کے سب سے زیادہ حریص پاؤ گے اور یہ موت کے نام سے ہی گھبراتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ موت کی تمنّا کرنا مومن ہونے کی نشانی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موت کے سب سے بڑے تمنائی تھے ۔اسی لیے تو وہ جنگوں میں بے دھڑک کود جاتے تھے اور ان کی نہایت قلیل تعداد کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو تہ و بالا کرکے رکھ دیتی تھی ۔ اس کے بالمقابل کافر اور کمزور ایمان والے موت سے ہراساں رہتے ہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے قلب سے وقتاً فوقتاً دریافت کرتے رہیں ، کہ وہ اس معاملے میں کس کیفیت سے دوچار ہے ۔ آیا موت سے ترساں و لرزاں ہے ۔ یا اللہ پاک کی ملاقات کا مشتاق ہے ، کیونکہ اللہ پاک بھی اس شخص کو محبوب رکھتا ہے ۔ جو اس سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہے ۔ اور یہ سعادت اُسے ہی نصیب ہوتی ہے ۔ جسے آخرت پر مکمل یقین ہو ۔ اسی لئے کہ اسلامی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت عقیدۂ آخرت ہی کو حاصل ہے ، کیونکہ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو سارا دین ہی بیکار ہو جائے ۔ یہی عقیدہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرتا اور عملی قوتوں کو مہمیز لگاتا ہے ۔ اسی

عقیدہ کی بدولت انسان بدعملی اور بدکرداری سے باز رہتا ہے اور اسی عقیدہ کی طاقت و توانائی سے انسانی زندگی اِصلاح اور تقویٰ سے مزیّن ہوتی ہے۔

ہمیں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے تاکہ اللہ کی راہ میں مستقل مزاجی سے گامزن رہنے کے لیے روشنی، حرارت اور توانائی کے حصول کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔

انسانی زندگی کو آرزوؤں سے لبھایا گیا ہے۔ جیساکہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو ملائکہ علیہم السّلام کے سامنے پیش کیا۔ یہ اربوں اور کھربوں انسان تھے، جو قیامت تک زمین پر آنے والے تھے۔ ملائکہ نے اس قدر کثیر تعداد دیکھکر عرض کیا:

"یا اللہ یہ زمین میں کیسے سمائیں گے؟"

اللہ پاک نے فرمایا:

"میں ان پر موت کو مُسلّط کردوں گا۔ اس طرح لوگ آئیں گے بھی، اور جائیں گے بھی اور زمین خالی ہوتی رہے گی تاکہ آنے والے خالی جگہ میں آکر بستے رہیں۔"

اس پر ملائکہ نے عرض کیا:

"جب انسان پر موت مُسلّط ہوگی تو اُسے ہر وقت موت کی فکر لاحق ہوگی۔ اس طرح ان کی زندگی تلخ ہوجائے گی، پھر دنیا کا نظام کیسے چلے گا۔"

اللہ پاک نے فرمایا:

"میں ان کے قلوب پر اُمیدیں مُسلّط کردوں گا اور وہ اُمیدوں میں لگے رہیں گے یوں موت کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں ہوگا۔ اس طرح دنیا کا نظام بھی چلتا رہے گا۔"

آہ ـــــ آج کا انسان اُمیدوں۔ آرزوؤں اور اُمنگوں کی لپیٹ میں اس بُری

طرح سے آچکا ہے کہ اس میں فکرِ آخرت کی رمق تک باقی نہیں رہی ہے ۔ جدید MODRENISM نے اس کی اُمیدوں کو اس قدر خوشنما اور چمک دار بنا دیا ہے کہ اس کی ظاہری اور باطنی آنکھیں چندھیا گئی ہیں اور اس کی بصیرت کا جنازہ نکل گیا ہے ۔ وہ قتل و غارت، فتنہ و فساد، بغض و کینہ اور بوریت و بیزاریت کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطے لگا رہا ہے ۔ لیکن اس سے چھٹکارا حاصل کرنیکی کوئی راہ اُسے نظر نہیں آتی ۔

اس مختصر سی کتاب میں موت سے پہلے اور موت سے قبر تک کے ضروری حقائق و مسائل کو جمع کر دیا گیا ہے تاکہ ہر مسلمان ان سے واقف ہو ۔ ان سے فائدہ اُٹھائے اور ان کی روشنی میں اپنی دُنیا اور آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرتا رہے ۔

اللہ پاک مؤلف ۔ پبلشر ۔ قاری اور کاتب کو اپنے فضلِ عمیم سے نوازیں اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں

ارائیں پاڑہ — احقر

ٹنڈو آدم، پاکستان — علی اصغر چودھری

۱۲ ر جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ

۲۱ ر جنوری ۱۹۸۹ء

○

آخری سفر سے متعلق ایک ضروری اعلان

اس کتاب کے قارئین کی دلچسپی اور اُن کے گہرے غور وفکر کی خاطر ہم جدّہ کے کثیر الاشاعت جریدہ "عکاظ" کے ہفت روزہ ایڈیشن کا ایک اعلان سب سے پہلے درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ہر قاری اپنے آخری سفر کے متعلق مناسب معلومات سے مستفید ہو سکے۔

ٹکٹ : فری

سفر : نفع بخش

سیٹ : محفوظ

اہلیت وشرائط

نام : عبداللہ ابنِ آدم

عرفیت : انسان

قومیّت : مسلمان

شناخت : مٹی

پتہ : روئے زمین

سفر کی تفصیلات

روانگی : ازفرودگاہ دنیا

منزل : دارالآخرت

مدّتِ سفر: چند ثانیے، جس میں چند لمحوں کے لئے ۲½ دو میٹر زیرِ زمین پرواز

پرواز کا وقت : وقتِ اجل

ریزرویشن : یقینی

ضروری ہدایات

تمام مسافران کرام سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنی نظر میں رکھیں جو ان سے پہلے آخرت کی طرف سفر کر گئے ہیں۔ اس طرح ہر لمحہ ان کی نظر طیارے کے کیپٹن حضرت ملک الموت کی طرف رہنی چاہیئے۔ مزید تفصیلات کے لئے ان ضروری ہدایات کو بغور پڑھ لیں جو کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں درج ہیں اور ان پر عمل کریں۔ اگر کچھ سوالات درپیش ہوں تو جواب کے لئے علمائے اُمت سے رجوع کریں۔ پرواز کے دوران میں آکسیجن کی کمی کی صورت میں آکسیجن ماسک خود بخود گر جائیں گے اور یقیناً پھر آپ ہر قسم کی آکسیجن سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

کتنا سامانِ سفر ساتھ لائیں

ہر مسافر اپنے ساتھ پانچ میٹر سفید لٹھا اور تھوڑی سی روئی لے جاسکتا ہے لیکن وہ سامان جو میزان پر پورا اترے گا۔ نیک عمل۔ صدقہ جاریہ۔ نیک اور صالح اولاد اور وہ علم ہوگا۔ جس سے بعد میں دوسرے لوگ نفع حاصل کر سکیں گے۔ اس سے زیادہ سامانِ سفر لانے کی کوشش کی گئی تو اس کے ذمّے دار آپ خود ہوں گے۔

تمام مسافران کرام سے درخواست ہے۔ خواہ ان کے پاس طیارے کا کارڈ موجود

ہے یا نہیں ہے یا ان کے پاسپورٹ اور کاغذاتِ سفر تیار ہیں یا نہیں. سب کے لئے ضروری ہے کہ وہ پرواز سے متعلق مزید معلومات کے لیے فوری طور پر کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ استوار کریں. اس سلسلہ میں روزانہ پانچ وقت مسجد کی حاضری مفید رہے گی۔

آپ کی سہولت کے لئے دوبارہ عرض ہے کہ آپ کی سیٹ ریزرو ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں کسی ری کنفرمیشن (PE-CONFIRMATION) کی حاجت نہیں۔

ہمیں امید ہے کہ آپ سفر کے لئے تیار رہوں گے. ہم آپ کو اس مبارک سفر پر خوش آمدید کہتے ہیں. ہماری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

خدا آپ کا حامی و ناصر ہو، آمین!

انسان اور کائنات

اللہ پاک نے سورۂ والتین میں فرمایا ہے کہ میں نے انسان کو " فی احسن تقویم" بنایا ہے۔ یعنی ہر قسم کی خوبیاں دی ہیں۔ طرح طرح کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور پورا کارخانۂ کائنات اس کے فائدے کے لئے " مسخر " کردیا ہے پھر جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں انہیں اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا اور جو ان دونوں کی نفی کریں یا ایک کو بالکل ترک کردیں وہ اسفل السافلین میں جا گریں گے اور یوں انسان اور انسانیت کے درجہ سے گر کر ذلیل ہوں گے اور رذالت کا داغ ان کی پیشانیوں پر نظر آئے گا۔ حیوان اور انسان میں فرق صرف " ایمان " اور " عمل الصالحات " کا ہے کیونکہ حیوان ذی شعور نہیں لیکن انسان ذی شعور ہونے کے ساتھ ساتھ " ارادے اور عمل " کی دولت سے بھی مالا مال ہے اس لیے اپنے اعمال کا جواب دہ بھی ہے جبکہ حیوان اس کا مکلّف نہیں ہے۔

کائنات کی تخلیق بڑے بڑے کرّوں سے لے کر چھوٹے چھوٹے ذرّوں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بہترین اور شاندار مظہر ہیں اور خود پوری کائنات کی وسعت کا تصوّر کرنے سے انسانی ذہن عاجز ہے۔ فضا میں جگہ جگہ کہکشاں کی قسم کے بے انداز حجم کے " کائناتی جزیرے " ہیں جو الگ الگ نظام کے تحت اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔

ہمارا سورج ایسے ہی ایک عظیم نظام کا جزو ہے جسے ہم کہکشائی نظام کہتے ہیں۔ اس نظام میں کروڑوں ستارے ہیں جو ایک دوسرے کے گرد گھومتے ہیں اور فضا میں ایسے کروڑوں نظام موجود ہیں اور نئی سائنسی تحقیق کے مطابق ایسے نئے نظام وجود میں آرہے ہیں۔

اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہم اس کائنات کو پھیلاتے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وسیع و عریض کائنات ہر دم اور ہر لحظہ وسعت پذیر ہے۔ قرآنِ پاک نے دو الفاظ میں یہ بات کمالِ بلاغت سے چودہ صدیاں پہلے ہی کہہ دی تھی۔ "وَاِنّا لموسعون"

حیرت کی بات ہے کہ اتنے اتنے بڑے اجسام سماوی اس قدر کثیر تعداد میں ہیں مگر سب اپنے اپنے مداروں میں اس طرح باقاعدگی سے گھوم رہے ہیں کہ کہیں کوئی تصادم نہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان تمام سیاروں کی اپنے اپنے سورجوں کے گرد گردش ایک ہی سمت سے ہے اور یہ وہی سمت ہے جس میں وہ اپنے محور کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ نیز ان سب کے مدار تقریباً بیضوی ہیں۔

کائنات اپنے مزاج کے اعتبار سے جدّت پسند واقع ہوئی ہے۔ یہاں تمام باقاعدہ گردشوں اور مقررہ قوانین کے درمیان ہر لحظہ نئی نئی غیر متوقع قسمیں اور صورتیں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ ہر موت نئی زندگی کا پیش خیمہ ہے مگر ہم بسا اوقات غلط فہمی سے آغاز ہی کو انجام سمجھ لیتے ہیں۔

ساری کائنات میں ایک جیسے قوانین کی کارفرمائی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا خالق ایک ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اگر اس کے خالق ایک سے زیادہ ہوتے اور پھر ایک دوسرے پر چڑھائی کی بھی کوشش کرتے تو اس صورت میں کائنات میں یہ ہم آہنگی نہ ہوتی۔

صوفیا انسان کو کائنات اصغر کہتے ہیں کائنات کی تخلیق میں عظمت و قوت کا اظہار ہے۔ انسانی تخلیق میں اس کے ساتھ ساتھ حسن و لطافت بھی ہے۔ انسانی بدن کے چھوٹے سے کیپسول میں بہت سے کمالات رکھ دیے گئے ہیں کائنات باہر سے وسیع ہے۔ لیکن انسان اندر سے وسیع ہے۔ نہ کوئی اس کے افکار کی وسعت کو پا سکتا ہے نہ اس کے جذبات کی اتھاہ گہرائیوں کو۔

جس طرح کائنات میں اٹل قوانین کارفرما ہیں۔ اسی طرح انسانی معاشرہ بھی بعض اٹل قوانین میں بندھا ہوا ہے۔ مثلاً

یہ کہ کوشش کے بغیر کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ یعنی ہر ایک کو اپنا اپنا بوجھ ہی اٹھانا پڑتا ہے دوسرا صرف مدد کر سکتا ہے۔

قرآنِ پاک نے تاریخ انسانی کو اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کیا کہ جو معاشرے اللہ تعالیٰ سے تعلق منقطع کر لیتے ہیں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار چھوڑ دیتے ہیں وہ تباہ کر دیے جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک نے ہی سب سے پہلے انسانی تاریخ کو معاشروں کی تاریخ کے طور پر پیش کیا۔ قرآن پاک نے ہی انسان کی عظمتوں اور پستیوں دونوں کو بیان فرمایا یعنی یہ کہ ایک طرف اس کی بلندیوں کو کوئی انتہا نہیں جیسے کائنات ہر لمحہ وسعت پذیر ہے۔ اسی طرح انسان بھی ہر لمحہ بلند سے بلند تر مراتب حاصل کرتا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور تا ابد جاری رہے گا۔ دوسری طرف اس کی پستیاں بھی اتھاہ ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قطع کر لے تو نیچے ہی نیچے گرتا چلا جاتا ہے۔

حیاتِ انسانی کے آخری لمحات اس کی پوری زندگی کی تفسیر اور تصویر پیش

کرتے ہیں اور دم واپسیں کے ساتھ ہی اسے خود معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بلندیوں کی طرف جا رہا ہے یا پستیوں میں گر رہا ہے۔

مگر یہ احساس اس کی حالت تبدیل نہیں کر سکتا کیونکہ اب وہ دار العمل سے نکل کر دار المکافات میں داخل ہو چکا ہوتا ہے

مقصدِ حیات

آخری لمحات کا گہرا تعلق مقصدِ حیات سے ہے۔ اگر مقصدِ حیات درست اور احسن ہے تو آخری لمحات بھی پرسکون اور فرحت بخش ہوں گے ورنہ رونا پیٹنا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا اور مفرور ملزم جیسا سلوک ہوگا جسے ہتھکڑی بھی لگائی جاتی ہے اور مارا پیٹا بھی جاتا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور عیش عشرت کرنا ہے۔ حالانکہ یہ کام تو جانوروں کا ہے کہ جب چاہتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں اور جب دل چاہتا ہے نفس کی خواہش بھی پوری کر لیتے ہیں لیکن اس میں ایک نکتہ بڑا قابلِ غور ہے کہ اگر کسی کا محبوب دور چلا گیا ہو تو وہ خود ہجر کی سختیاں برداشت کرتے کرتے کھانے پینے اور عیش و عشرت سے بے پرواہ ہو جائے گا اور تھوڑے ہی عرصہ میں سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائے گا۔ لیکن اگر اُسے بستر پر پڑے ہوئے بھی کوئی یہ پیغام دے کہ تمہارا محبوب فلاں جگہ موجود ہے تو اس میں یک لخت اس قدر طاقت اور توانائی آجائے گی کہ بستر کو چھوڑ کر محبوب کی دید کے لیے فوراً اس طرف روانہ ہو جائے گا۔ ایسے مناظر آپ نے کئی بار دیکھے ہونگے۔ کسی شاعر نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ان کے آنے سے جو آجاتی ہے مُنہ پہ رونق   وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

یہ طاقت و توانائی اسے کھانے پینے کے بغیر ہی کہاں تک لے گئی۔ ظاہر ہے یہ

صرف محبوب کی محبت کا کرشمہ ہے تو ثابت یہ ہوا کہ محبوب کی محبت کھانے پینے کی محتاج نہیں ہے اور نہ اسے طاقت و توانائی کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ آتشِ عشق لسے لمحہ بہ لمحہ ایک نئی زندگی بخشتی ہے۔

دنیا میں آدمی جب ان چھوٹے چھوٹے محبوبوں کی حب وصال سے زندہ رہ سکتا ہے تو اگر کسی کے دل میں اللہ کی محبت سما جائے تو اس کی زندگی کا کیا ٹھکانہ اور اس محبت کے صدقے میں اسے جو قوت و توانائی حاصل ہوگی اس کا کیا اندازہ۔

انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کی محبت میں غرق ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی زندگی کی تمام قوتوں کا دارو مدار صرف محبوب کے نام اور اس کے ذکر پر ہوتا ہے۔ وہ کھانے پینے سے زندہ نہیں رہتے تھے بلکہ ذکر اللہ سے زندہ ہوتے تھے۔ اگر وہ ایک دانہ بھی نہ کھاتے تو بھی ان کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ وہ تو اپنی عبدیت ظاہر کرنے کے لیے کھاتے تھے اور اُمت کے لیے سُنّت قائم کرنا اس کھانے پینے سے مقصود ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ عمل کر کے نہ دکھاتے تو ہم کس طرح کھاتے پیتے۔ ہم چونکہ ذکر اللہ سے ناواقف ہیں اس لیے اس کی لذّت اور قوت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو میرے دادا ہیں اور جنہوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا (اور اولیائے کاملین میں سے تھے) اپنی وفات سے دو ماہ پیشتر فرمایا تھا۔

"بحمد اللہ اب مجھے زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے کی حاجت باقی نہیں محض اتباعِ سنت کے لیے کھاتا پیتا ہوں ورنہ حاجت نہیں ہے"۔

غرض کھانا پینا اور عیش و آرام کرنا زندگی کا مقصد نہیں ہے اور نہ جاہ و منصب مقصودِ حیات ہے۔ کیونکہ دنیا میں عزت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ایک لیڈر کی ہے پبلک میں اس کو مقبولیت ہوئی تو گلے میں پھولوں کے ہار ڈال دیے اور جب پبلک

خفا ہوئی تو گلے میں جوتیوں کے ہار ڈال کر جلوس نکال دیا۔ اس طرح یہ بے چارا بے عزت مارا مارا پھرتا ہے۔ اور اسے کوئی پوچھتا تک نہیں۔ حدیث میں ہے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب کسی سے راضی ہوتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے راضی ہوں۔ تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ جبریل علیہ السلام راضی ہو جاتے ہیں تو آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں بندہ میرے ہاں مقبول بن گیا (جو قبولیت خداوندی کی علامت ہے) لہٰذا تم بھی اسے قبول بناؤ۔ پھر سارے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ سب فرشتوں میں اس کی عزت قائم ہو جاتی ہے۔ ان ملائکہ کے اثرات اولیاء اللہ کے قلوب پر پڑتے ہیں تو اللہ والے بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں ــــــــــــــ

اور جتنے لوگ اہلِ اللہ سے وابستہ ہیں نیک ہیں۔ پھر ان کی وجہ سے عوام میں بھی ان کی عزّت ہونے لگتی ہے۔ الغرض اس شخص کی مقبولیّت پوری اُمّت میں پھیلا دی جاتی ہے۔

آخر یہ مقبولیّت کب اور کیوں ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عزّت اللہ پاک اسے اپنا مقبول بنا کر عطا فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ پاک اسی کو مقبول بنائیں گے جس کے دل میں اللہ پاک کی محبت ہو۔ پس اگر مقصدِ حیات اللہ پاک کی محبّت ہو، اللہ کا ذکر ہو، اللہ کی اطاعت ہو اور اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہو تو پھر اس عزّت سکون اور توانائی کی وجہ سے مومن کے آخری لمحات بھی قابلِ رشک ہوں گے اور موت اس کے لیے واقعی تحفہ ہو گی کہ ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملائے گی اور مُحبّ کو محبوب کے دربار تک پہنچا دے گی۔ پس مقصدِ حیات کے حصول کے لیے

جدوجہد کرتے رہنا اپنے آخری لمحات کو سہانے بنا لینے کا نہایت مجرّب نسخہ ہے اور انسان کے لیے مقصدِ حیات تو خود خالقِ اکبر نے متعین کر دیا ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے۔

وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون

(ترجمہ) میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت اور اطاعت کریں۔

ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے:

"تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس حالت میں موت آئی اور موت اس حالت پر آئے گی جس حالت پر زندگی گزار دی۔

جب اس حدیث پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اگر زندگی ذکر و عبادت میں گزاری ہے تو موت کے وقت بھی ذکر و عبادت ہی کا دھیان ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی حاجی میدانِ عرفات میں یا منیٰ میں لبیک لبیک کہتے ہوئے مرگیا تو جب وہ میدانِ حشر میں قبر سے اٹھے گا اس کی زبان پر لبیک لبیک جاری ہوگا۔

لبیك اللّٰھم لبیك لا شریك لك لبیك

اور وہ یہی سمجھے گا کہ میں میدانِ عرفات میں جا رہا ہوں حالانکہ بعد میں اسے پتہ چلے گا کہ یہ تو میدانِ حشر ہے میدانِ عرفات نہیں ہے۔

مقصد اس کلام کا یہ ہے کہ جس حالت میں آدمی زندگی گزارتا ہے اسی حالت پر موت آتی ہے۔ قبر سے اٹھتے ہوئے بھی وہی حالت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب قبر میں منکر و نکیر میّت سے سوال پوچھیں گے تو اسے مغرب کا وقت نظر آئے گا اور وہ ان فرشتوں سے کہے گا کہ نماز کا وقت جا رہا ہے۔ پہلے مجھے نماز پڑھ لینے

دو پھر تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔

لیکن اگر کسی نے زندگی بھر نماز ہی نہیں پڑھی تو قبر کی وحشت میں اسے نماز کیونکر یاد آئے گا۔ پس زندگی کے موجودہ لمحات میں اللہ پاک کی اطاعت اور عبادت کا پورا پورا اہتمام کیجئے تاکہ آخری لمحات میں وحشت نہ ہونے پائے۔

غور و فکر ـــــ عمل اور نتیجہ

ہم ذیل میں قرآنِ مجید کی سورہ حٰم السّجدہ کی آیات ۳۰ - ۳۲ کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو مؤمنین کے لیے غور و فکر کی راہیں متعین کرتا ہے اور یہ آیات اس صحیح سوچ کے بعد اسے عمل کی دعوت دے کر نہایت عمدہ نتائج کی خوشخبری دیتی ہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے :

" جن لوگوں نے کہا۔

" اللہ ہمارا ربّ ہے" ، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے۔ یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ " نہ ڈرو۔ نہ غم کرو۔ اور خوش ہو جاؤ۔

اس جنّت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا

اور ہر جس چیز کی تم تمنّا کرو گے وہ تمہاری ہو گی

یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے"۔ اب چند مطالب کی تشریح ملاحظہ فرمائیے بحوالہ تفہیم القرآن جلد چہارم صفحات ۴۵۴ - ۴۵۵ -

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لہ یعنی محض اتفاقاً کبھی اللہ کو اپنا رب کہہ کر نہیں رہ گئے اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہوئے کہ اللہ کو اپنا رب بھی کہتے جائیں اور ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا رب بناتے بھی جائیں بلکہ ایک مرتبہ یہ عقیدہ قبول کر لینے کے بعد پھر ساری عمر اس پر قائم رہے اس کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کیا نہ اس عقیدے کے ساتھ کسی باطل عقیدے کی آمیزش کی اور اپنی عملی زندگی میں بھی عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔

توحید پر استقامت کا مفہوم کیا ہے ؟

اس کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ نے اس طرح کی ہے :

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ۔

"بہت سے لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا

مگر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے

ثابت قدم وہ شخص ہے جو مرتے دم تک اس عقیدے پر جا رہا"

حضرت ابو بکر صدیقؓ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں : ۔

"پھر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا اس کے سوا کسی دوسرے معبود کی طرف توجہ نہ کی"

حضرت عمرؓ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں :

"خدا کی قسم استقامت اختیار کرنیوالے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گئے ۔

لومڑیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے نہ پھرے"

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں ۔

"اپنے عمل کو اللہ کے لیے خالص کر لیا"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں :

"اللہ کے عائد کردہ فرائض فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرتے رہے ۔"

۲؎ فرشتوں کا یہ نزول ضروری نہیں کہ کسی محسوس صورت میں ہو اور اہلِ ایمان انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں یا ان کی آواز کانوں سے سنیں اگرچہ اللہ جل شانہٗ جس کے لیے چاہیں فرشتوں کو علانیہ بھیج دیتے ہیں۔ لیکن بالعموم اہلِ ایمان پر خصوصاً سخت وقتوں میں جبکہ دشمنانِ حق کے ہاتھوں وہ بہت تنگ ہو رہے ہوں۔ ان کا نزول غیر محسوس طریقے سے ہوتا ہے اور ان کی باتیں کانوں کے پردوں سے ٹکرانے کی بجائے دل کی گہرائیوں میں سکینت و اطمینان قلب بن کر اُترتی ہیں۔ بعض مفسّرین نے فرشتوں کے اس نزول کو موت کے وقت۔ یا قبر یا میدانِ حشر کے لیے مخصوص سمجھا ہے لیکن اگر ان حالات پر غور کیا جائے جن میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ تو اس میں کچھ شک نہیں رہتا۔ کہ یہاں اس معاملہ کو بیان کرنے کا اصل مقصد اس زندگی میں دینِ حق کی سربلندی کے لیے جانیں لڑانے والے فرشتوں کے نزول کا ذکر کرنا ہے تاکہ انہیں تسکین حاصل ہو اور انکی ہمّت بندھے۔ اور ان کے دل اس احساس سے مطمئن ہو جائیں کہ وہ بے یار و مددگار نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے فرشتے ان کے ساتھ ہیں اگرچہ فرشتے موت کے وقت بھی اہلِ ایمان کا استقبال کرتے آتے ہیں اور قبر (عالم برزخ) میں وہ ان کی پذیرائی کرتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز ابتدائے حشر سے جنّت میں پہنچنے تک وہ برابر ان کے ساتھ لگے رہیں گے۔ لیکن انکی یہ معیّت اُسی عالم کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں بھی وہ جاری ہے سلسلۂ کلام صاف بتا رہا ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں جس طرح باطل پرستوں کے ساتھی شیاطین و اشرار ہوتے اس طرح اہلِ ایمان کے ساتھی فرشتے ہوا کرتے ہیں ایک طرف باطل پرستوں کو ان کے شیاطین ان کے کرتوت خوشنما بنا کر دکھاتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ حق کو نیچا دکھلانے کے لیے جو ظلم و ستم اور بے ایمانیاں تم کر رہے ہو۔ یہی تمہاری کامیابی کے ذرائع ہیں۔ اور انہی سے دنیا میں تمہاری سرداری محفوظ رہے گی۔ دوسری طرف حق پرستوں کے پاس اللہ کے فرشتے آکر وہ پیغام دیتے ہیں جو آگے فقروں میں ارشاد ہو رہا ہے۔

۳؎ یہ بڑے جامع الفاظ ہیں جو دنیا سے لیکر آخرت تک ہر مرحلے میں اہلِ ایمان کے لیے تسکین کا ایک نیا مضمون اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں فرشتوں کی اس تلقین کا مطلب یہ ہے کہ باطل کی

طاقتیں خواہ کتنی ہی بالادست اور جیرہ دست ہوں۔ ان سے ہرگز خوف زدہ نہ ہو۔ اور حق پرستی کی وجہ سے جو تکلیفیں اور محرومیاں بھی تمہیں سہنی پڑیں۔ ان پر کوئی رنج نہ کرو۔ کیونکہ آگے تمہارے لیے وہ کچھ ہے جس کے مقابلے میں دُنیا کی ہر نعمت ہیچ ہے۔ یہی کلمات جب موت کے وقت فرشتے کہتے ہیں تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آگے جس منزل کی طرف تم جا رہے ہو۔ وہاں تمہارے لیے کسی خوف کا مقام نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں جنّت تمہاری منتظر ہے اور دنیا میں جن کو تم چھوڑ کر جا رہے ہو۔ ان کے لیئے تمہیں رنجیدہ ہونیکی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہاں ہم تمہارے ولی اور رفیق ہیں عالم برزخ اور میدانِ حشر میں جب فرشتے۔ یہی کلمات کہیں گے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ یہاں تمہارے لئے چین ہی چین ہے دنیا کی زندگی میں جو حالات تم پر گزرے ان کا غم نہ کرو۔ اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کا خوف نہ کھاؤ اس لئے کہ ہم تمہیں اس جنت کی بشارت دے رہے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔

روح اور اس کی حقیقت

قرآن مجید میں سورہ السجدۃ کی آیت نمبر ۹ میں اللہ پاک نے فرمایا کہ میں نے انسان کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اسے کان، آنکھیں اور دل دیے۔ اس روح سے کیا مراد ہے یہ جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا صحیح شعور ہونے کے بغیر آدمی اپنے آخری لمحات کو زیادہ اہمیت نہیں دے سکتا اور اس کے خیال میں ہوتا ہے کہ بس مر گئے تو بات ختم ہو گئی حالانکہ مرنے کے بعد ہی تو وہ زندگی شروع ہوتی ہے۔ جس کی انتہا نہ ہو گی اور جو کچھ دنیا میں کیا ہو گا اس کی سزا یا جزا کے عمل سے گزرنا پڑے گا۔

صاحب تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۱ پر لکھتے ہیں۔

"روح سے مراد محض وہ زندگی نہیں ہے جس کی بدولت ایک ذی حیات جسم کی مشین متحرک ہوتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ خاص جوہر ہے جو فکر و شعور اور عقل و تمیز اور فیصلہ و اختیار کا حامل ہوتا ہے جس کی بدولت انسان تمام دوسری مخلوقاتِ ارض سے ممتاز ایک صاحب شخصیت ہستی، صاحب انا ہستی۔ اور حاملِ خلافت ہستی بنتا ہے۔ اس روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح یا تو اس معنی میں فرمایا ہے کہ وہ اسی کی ملک ہے اور اس کی ذات پاک کی طرف اس کا انتساب اسی طرح کا ہے جس طرح ایک چیز اپنے مالک کی طرف منسوب ہو کر اس کی چیز کہلاتی

ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر علم، فکر، شعور، ارادہ، فیصلہ
اختیار اور ایسے ہی دوسرے جو اوصاف پیدا ہوئے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ
کی صفات کا پرتو ہیں ان کا سر چشمہ مادے کی کوئی ترکیب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ
کی ذات ہے۔ اللہ کے علم سے اس کو علم ملا ہے۔ اللہ کی حکمت سے اس کو دانائی
ملی ہے۔ اللہ کے اختیار سے ملا ہے یہ اوصاف کسی بے علم، بے دانش اور بے
اختیار ماخذ سے انسان کے اندر نہیں آتے ہیں۔"

اس سلسلہ میں مزید تشریح سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۲۹ میں ہے جہاں صاحب تفہیم القرآن
صفحہ ۵۰۵ جلد دوم میں لکھتے ہیں:

"جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں"
سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر جو روح پھونکی گئی ہے وہ دراصل صفاتِ الٰہی کا ایک عکس یا پرتو ہے
حیات، علم، قدرت، ارادہ، اختیار اور دوسری جتنی بھی صفات انسان میں پائی جاتی
ہیں جن کے مجموعہ کا نام روح ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کا ایک ہلکا سا پرتو ہے۔ جو
اس کے جسدِ خاکی پر ڈالا گیا ہے اور اس پرتو کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیفہ اور ملائکہ
سمیت تمام موجودات ارض کا مسجود قرار پایا۔

یوں تو ہر وہ صفت جو مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔ اس کا مصدر و منبع اللہ تعالیٰ ہی
کی کوئی نہ کوئی صفت ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (بخاری و مسلم)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے رحمت کو سو حصوں میں تقسیم فرمایا پھر ان میں ۹۹ حصے اپنے
پاس رکھے اور صرف ایک حصہ زمین میں اتارا یہ اس حصے کی برکت ہے
جس کی وجہ سے مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں یہاں
تک کہ اگر ایک جانور اپنے بچے پر سے اپنا کھر اٹھاتا ہے تاکہ اسے ضرر نہ پہنچ
جائے تو یہ بھی دراصل اسی حصہ رحمت کا اثر ہے۔ مگر جو چیز انسان کو دوسری

مخلوقات پر فضیلت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جس جامعیت کے ساتھ اللہ کی صفات کا پرتو اس پر ڈالا گیا اس سے کوئی دوسری مخلوق سرفراز نہیں کی گئی۔

یہ ایک ایسا باریک مضمون ہے جس کے سمجھنے میں ذرا سی غلطی بھی آدمی کر جائے تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ صفاتِ الٰہی میں سے ایک حصّہ پانا الوہیت کا کوئی جزو پا لینے کا ہم معنی ہے۔ حالانکہ الوہیت اس سے وراء الوراء ہے کہ کوئی مخلوق اس کا ایک ادنیٰ شائبہ بھی پا سکے۔

یہ عظیم القدر انسانی روح اتنے پایہ اوصاف کے ساتھ تم کو اس لیے تو عطا نہیں کی گئی تھی کہ تم دنیا میں جانوروں کی طرح رہو اور اپنے لیے بس وہی زندگی کا نقشہ بنا لو۔ جو کوئی حیوان بنا سکتا ہے یہ آنکھیں تمہیں چشمِ بصیرت سے دیکھنے کے لیے دی گئی تھیں۔ نہ کہ اندھے بن کر رہنے کے لیے۔ یہ کان تمہیں گوش ہوش سے سننے کے لیے دیے گئے ہیں نہ کہ بہرے بن کر رہنے کے لیے۔ یہ دل تمہیں اس لیے دیے گئے تھے۔ کہ حقیقت کو سمجھو اور صحیح راہ فکر و عمل اختیار کرو نہ اس لیے کہ اپنی ساری صلاحیتیں صرف اپنی حیوانیت کی پرورش کے وسائل فراہم کرنے میں صرف کر دو اور اس سے کچھ اونچے اُٹھو تو اپنے خالق سے بغاوت کر کے فلسفے اور پروگرام بنانے لگو۔ یہ بیش قیمت نعمتیں خدا سے پانے کے بعد جب تم دہریت یا شرک اختیار کرتے ہو جب تم خود خدا یا دوسرے خداؤں کے بندے بنتے ہو۔ جب تم خواہشات کے غلام بن کر جسم و نفس کی لذتوں میں غرق ہو جاتے ہو تو گویا اپنے خدا سے کہتے ہو۔ کہ ہم ان نعمتوں کے لائق نہ تھے ہمیں انسان بنانے کے بجائے تجھے ایک بندر یا ایک بھیڑیا یا ایک مگرمچھ یا ایک کوّا بنانا چاہیئے تھا"۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے" پھر دیکھو وہ موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی۔ اور یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا ہے"۔ (سورۂ ق - ۱۹)

حق لے کر آ پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ موت کی جان کنی وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے

وہ حقیقت کھلنی شروع ہو جاتی ہے جس پر دنیا کی زندگی میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس مقام سے آدمی وہ دوسرا عالم صاف دیکھنے لگتا ہے جس کی خبر انبیائے کرام نے دی تھی یہاں آدمی کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آخرت بالکل برحق ہے اور یہ حقیقت بھی اس کو معلوم ہو جاتی ہے کہ زندگی کے اس دوسرے مرحلے میں وہ نیک بخت کی حیثیت سے داخل ہو رہا ہے یا بدبخت کی حیثیت سے۔ اور یہ وقت روح اور جسم کی جدائی کا ہے۔ اب روح کو نیا مکان ملے گا اور پہلا مکان (یعنی جسم) گل سڑ کر مٹی میں مل جائے گا۔

فکرِ آخرت

یہ بات کس قدر عجیب اور باعثِ تشویش ہے کہ ہمارے دِل توخوفِ خدا اور خوفِ آخرت سے خالی ہیں اور ہم پوری بے باکی اور جسارت کے ساتھ خدا اور اُس کے حبیب کی نافرمانی بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اُمید بھی رکھتے ہیں کہ اللہ پاک ہمیں آخرت میں اپنی بے پایاں نعمتوں سے نوازیں گے یعنی ٹکٹ تو ہمارے پاس پشاور کا ہے اور بیٹھے بھی اس گاڑی میں ہیں۔ جس کا رُخ پشاور کی طرف ہے، اور اُمید یہ رکھتے ہیں کہ بس چند گھنٹوں کی بات ہے کہ ہم کراچی پہنچ جائیں گے۔ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہوگی کہ ہماری کوششوں کا مرکز اور محور تو آسائش دنیا ہے لیکن دل ہی دل میں خوش ہیں کہ بس آخرت میں بھی اسی طرح آسائش سے سرفراز ہونگے، اور اللہ پاک ہمیں جنّت کی وراثت عطا فرمائے گا۔ حالانکہ ہم اللہ پاک کی رحمتوں اور نعمتوں کے حقدار تو اسی صورت میں ہو سکتے ہیں کہ ہمارے دِلوں میں خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کی حرارت موجود ہو، اور ہم یومِ آخرت کی پرسش سے ڈرتے رہیں۔

ذیل میں ہم چند واقعات اور کیفیات درج کرتے ہیں۔ جن سے انشاء اللہ آخرت کو سنوارنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گی، شرط یہ ہے کہ ان پر غور و فکر کیا جائے اور سعی و عمل پر کمر بستہ ہو جائیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"حضورؐ آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں"

جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھ کو سورۃ ہود۔ سورۃ واقعہ۔ سورۃ مرسلات۔ سورۃ عمّ یتسآءلون اور سورۃ اِذا الشّمس کُوّرت نے بوڑھا کر دیا ہے۔"

اللہ تعالےٰ کے جلال کی جو معرفت اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی۔ اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ان سورتوں کے مضامین اور مطالب پر کبھی غور و خوض ہی نہیں کیا ہے بس طوطے کی طرح ان کو پڑھ لیا اور مطمئن ہو گئے کہ ہم نے اللہ کے کلام کی تلاوت کر لی ہے۔ کاش! ہم بھی کبھی ان سورتوں کے مضامین پر ایک سچے مسلمان کی طرح غور و فکر کریں تاکہ ہمارے دلوں کی حالت بدل جائے اور ان خوابیدہ دلوں میں نورِ ایمان کی کرنوں سے اُجالا پیدا ہو اور ہم فکرِ آخرت کا الارم سن کر جاگ اُٹھیں۔

بعض حضرات نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور عرض کیا کہ آپ نے سورۃ ہود میں ایسی کیا بات تھی۔ جس کی وجہ سے آپؐ بوڑھے ہو گئے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اس سورت میں یہ جو آیت "فاستقم کما اُمرت" (جیسا تم کو حکم دیا، اسی طرح مستقیم رہو) ہیں اس کی وجہ سے بوڑھا ہو گیا ہوں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ حکم خداوندی پر پورا پورا نہ چلا ہوں اور اللہ تعالےٰ اس پر گرفت نہ فرمائیں۔

۲ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا بیان ہے کہ:

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر نمازوں میں یہ دُعا مانگتے سُنا ہے:

"اے اللہ! مجھ سے آسان حساب لینا۔"

اُم المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول آسان حساب کی کیا صورت ہو گی؟"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خدا ایک شخص کے اعمال نامے کو دیکھے گا اور اس سے چشم پوشی کرے گا (تو یہ آسان حساب ہو گا) لیکن جس شخص سے اس روز پوچھ گچھ کی گئی (یعنی اس سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ عمل کیوں کیا) تو اسے
عائشہ رضی اللہ عنہا　　　وہ ہلاک ہوا۔"

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، بھی یوم الحساب کی پرسشں سے فکر مند رہتے تھے۔ ہم کیا چیز ہیں۔ لیکن غفلت نے کبھی ہمیں اس بات کو سوچنے کی فرصت ہی نہیں دی ہے۔

(۳) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھتے اور فرماتے:

"لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ اللہ کو یاد کرو۔ اللہ کو یاد کرو۔ خبر دار! راجفہ (کپکپانے والی یعنی قیامت) آپہنچی۔ اس کے پیچھے رادفہ (صور کی دوسری پھونک) بھی آگئی۔ موت اپنے سروسامان کے ساتھ آپہنچی۔ موت اپنے سروسامان کے ساتھ آپہنچی۔

(۴) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو کچھ میں نے دیکھا ہے۔ وہ تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ میں نے سُنا ہے۔ وہ تم نے نہیں سُنا۔ آسمان نے فریاد کی اور فریاد کرنا ہی

اس کے لائق ہے۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ چار انگل جگہ بھی آسمان میں ایسی نہیں ہے۔ جہاں فرشتوں نے پیشانی نہ رکھی ہو اور خدا کو سجدہ نہ کیا ہو۔ خدا کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم وہ جان لو تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ اور تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ بستروں پر سوتے میں لطف نہ آئے اور تم خدا کے حضور نالہ و فریاد کرتے ہوئے صحرا کی طرف نکل جاؤ۔"

اس حدیث کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ روایت کرتے وقت بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے۔

"کاش میں درخت ہوتا اور وہ کاٹ دیا جاتا۔"

یعنی میں کٹا ہوا درخت ہوتا اور قیامت کے دن گناہوں سے آلودہ نہ اٹھایا جاتا۔

(۵) ایک سفر کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ذرا دُور چلے گئے۔ جہاں آپ نے بلند آواز سے دو آیتیں تلاوت کیں، جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑا حادثہ ہوگا۔ جس روز تم حادثے کو دیکھو گے۔ (اس کی ہیبت سے) دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتیں اپنے حمل ڈال دیں گی اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب ہی ایسا شدید ہوگا، جس سے ان کا یہ حال ہوگا۔"

صحابہؓ اپنی سواریوں کو تیز تیز ہنکاتے ہوئے آپؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے

ان سے دریافت فرمایا:

"تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا:

"اللہ اور رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالےٰ آدمؑ کو پکارے گا اور فرمائے گا۔ اے آدم جہنم میں جانے والوں کو بھیج۔ آدم عرض کریں گے پروردگار جہنم میں جانے والے کتنے ہیں؟ ارشاد ہوگا ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ میں جھونکے جائیں گے اور صرف ایک شخص جنّت میں جائے گا۔"

آپ کا یہ ارشاد سن کر لوگوں پر مایوسی چھا گئی اور کسی چہرے پر بشاشت باقی نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مایوس دیکھ کر انہیں عمل کی تلقین فرمائی اور جنّت کی بشارت دی۔

(۶) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ، جب کسی باغ کی طرف سے گزرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے ہوتے دیکھتے تو آہ بھر کر فرماتے:

"پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ جہاں چاہتے ہو چرتے پھرتے ہو جس درخت کے سائے میں چاہتے ہو، بیٹھ رہتے ہو اور قیامت میں تم سے کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ اے کاش ابوبکر تمہاری ہی طرح ہوتا۔"

(۷) ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ، نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"کہاں ہیں وہ حسین و روشن چہروں والے جو اپنے شباب سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا کرتے تھے؟ کہاں ہیں وہ سلاطین جو بڑے بڑے شہر بساتے تھے اور ان کو قلعہ بند کرتے تھے؟ کہاں ہیں وہ بہادر جو میدانِ جنگ میں فتح و غلبہ حاصل کیا کرتے تھے؟ زمانے کی گردشوں نے ان کو پست کر دیا اور ان کے بازو توڑ دیئے۔"

(۸) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار نماز پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے۔

" ان عذاب ربك لواقع ماله من دافع "

(بلاشبہ تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہنے والا ہے، اُسے کوئی ٹالنے والا نہیں)

تو اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔

(۹) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں رات کو گشت فرمایا کرتے تھے تاکہ رعایا کے حال سے واقف ہو سکیں اور اگر کسی کو تکلیف ہو تو اُسے دُور کرنے کی کوشش کریں۔ ایک رات آپ گشت کرتے ہوئے مدینے سے دُور نکل گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور تین بچے اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے عورت سے حالت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ کچھ کھانے کو نہیں ہے۔ بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں اور ماں نے ان کو تسلّی کے لیے خالی ہنڈیا چڑھا دی ہے۔ آپ اسی وقت خوراک کا سامان لینے کے لیے مدینے میں واپس آئے اور بیت المال سے ضروری سامان نکال کر جب کندھے پر رکھا اور چلنا چاہا تو غلام نے عرض کیا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ سامان خود کیوں اُٹھاتے ہیں۔ میں اُسے اُٹھانے کے لیے حاضر ہوں لیکن آپ نے فرمایا: "تم آج تو میرا بوجھ اُٹھا لوگے، لیکن کل قیامت کے دن

میرا بوجھ کون اُٹھائے گا۔" اور یہ کہہ کر خود ہی سامان اُٹھایا اور لے جا کر اس عورت کو پیش کر دیا۔

(۱۰) حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کے سامنے سے جب جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ قبروں کے پاس سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ لوگ پوچھتے کہ دوزخ اور جنّت کے تذکروں سے تو آپ پر اتنی رقّت طاری نہیں ہوتی۔ آخر قبور میں کیا خاص بات ہے کہ آپ اس قدر بے قرار ہو جاتے ہیں تو آپ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر یہ مرحلہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مرحلے دشوار ہوں گے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"قبر سے زیادہ بڑا اور مصیبت والا منظر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔"

(۱۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ، ہر اس چیز سے جو آخرت کی یاد دلانے والی ہوتی تھی، محبت رکھتے تھے۔ ایک دن آپ قبرستان میں بیٹھے تھے۔ کسی نے کہا اے ابوالحسن آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔

فرمایا:

"میں ان لوگوں کو بہت اچھا ہم نشین پاتا ہوں۔ یہ کسی کی بدگوئی نہیں کرتے اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔"

ایک مرتبہ آپ قبرستان میں تشریف لے گئے اور اہلِ قبور سے متوجہ ہو کر فرمایا:

"اے اہلِ قبر۔ اے بوسیدگی والو۔ اے وحشت و تنہائی والو، کہو کیا خبر

ہے؟ ہے؟ کیا حال ہے؟"
ہماری خبر تو یہ ہے کہ :

"تمہارے جانے کے بعد مال تقسیم کر لیئے گئے۔ اولادیں یتیم ہوگئیں بیویوں نے دوسرے شوہر کر لیئے۔ یہ تو ہماری خبر ہے، تم بھی کچھ اپنی خبر سناؤ۔"

اس وقت آپ کے ساتھ کمیل نامی ایک شخص تھے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے کمیل اگر ان کو بولنے کی اجازت ہوتی تو یہ جواب دیتے کہ بہترین سروسامان پرہیزگاری ہے۔"

اس کے بعد رونے لگے اور فرمایا:

"اے کمیل! قبر اعمال کا صندوق ہے اور یہ بات موت کے وقت معلوم ہوتی ہے۔"

(۱۲) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب ایک بار آتشِ دوزخ کو یاد کر کے رو رہی تھیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا:

"عائشہ رضی! تم کیوں رو رہی ہو؟"

عرض کیا:

"مجھے دوزخ کی آگ یاد آگئی، اس لئے رو رہی ہوں۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن آپ اپنے اہل و عیال کو یاد فرمائیں گے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :
"تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا ،،
(۱) میزان کے موقع پر: جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کے (نیک اعمال کا) پلّہ ہلکا ہوا یا بھاری ؟
(۲) اس وقت جب کہا جائیگا کہ یہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھ اور یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا یا بائیں ہاتھ میں یا بیٹھ کے پیچھے سے ۔
(۳) اس وقت جب دوزخ کے اُوپر پُل صراط بچھایا جائے گا ۔ یہ تینوں ہی مواقع بڑے نازک ہیں ۔

سلامتی اور نجات صرف اس کے لئے ہے ۔ جس کا نیکیوں کا پلہ بھاری رہا اور اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا اور وہ پل صراط سے بخریت گزر گیا اس کے برعکس کی تینوں حالتیں ہلاکت اور بربادی کی ہیں ۔

ذرا سوچئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیوی کو جو سراپا عمل اور ایمان تھیں ۔ تسکین و تسلی کی بجائے تنبیہ فرمائی ۔ پھر ہم کون ہیں کہ خوش فہمی میں مبتلا رہیں اور ایمان و عمل کی بجائے غفلت میں ڈوبے رہیں ۔

(۱۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے مجھے ان تینوں آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے ۔
(۱) جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے اور موت اُسے طلب کر رہی ہے ۔
(۲) جو موت سے غافل ہے ، حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے ۔
(۳) جو قہقہہ مار کر ہنستا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالےٰ اس سے راضی ہے یا ناراض ۔

نیز آپ فرمایا کرتے تھے :

"مجھے تین چیزیں اس قدر غمناک کرتی ہیں کہ میں رو دیتا ہوں۔"

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی جدائی۔

(۲) قبر کا عذاب

(۳) قیامت کا خطرہ

(۱۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنی آخری بیماری میں موت کو یاد کر کے بہت روتے تھے۔ لوگوں نے جب اس قدر رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا:

"میں اس دنیا کی دلفریبیوں کے چھوٹنے پر نہیں روتا، بلکہ سفرِ آخرت کی طوالت اور زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں۔ میں اس وقت دوزخ اور جنّت کے نشیب و فراز کے درمیان ہوں، معلوم نہیں۔ ان میں سے کس راستے پر جانا ہوگا۔"

آخرت کی فکر کا یہ نتیجہ تھا کہ بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی۔ اگر کوئی تمنّا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد اس دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف روانہ ہو جائیں۔

(۱۵) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زندگی کے آخری دنوں میں خوفِ آخرت سے نہایت خوفزدہ رہا کرتے تھے اور اکثر اوقات روتے رہتے تھے۔ لوگوں نے جب اس رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

"مجھے دُنیا کی جُدائی کا غم نہیں مجھے موت عزیز ہے، لیکن نہیں معلوم وہاں کیا پیش آئے۔

(۱۶) حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فکرِ آخرت کا یہ حال تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ:

"اگر مجھے جنّت اور دوزخ کے متعلق اختیار دے دیا جائے کہ ان میں سے

اپنے لئے جن کو چاہو پسند کر لو، یا راکھ ہو جاؤ، تو میں راکھ ہو جانا پسند کروں گا۔ تاکہ مجھ سے میرے اعمال کے متعلق کچھ سوال و جواب نہ ہو۔"

آخرت کے خوف سے اکثر کہا کرتے تھے۔ کاش! ہم گھاس ہوتے (تاکہ اعمال کی جواب دہی کی نوبت ہی نہ آتی)

(۱۷) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جب آخری وقت آیا تو آپ نے عزیزوں سے فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ لوگوں نے آپ کو سہارا دے کر بٹھایا۔ آپ کافی دیر تک ذکرِ خدا میں مصروف رہے، پھر بے اختیار رو دیئے اور فرمایا:

"معاویہؓ! اب اپنے رب کو یاد کرتا ہے۔ جب بڑھاپے نے تجھے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہو گئی ہیں۔ اس وقت کیوں خیال نہ آیا، جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی۔"

پھر چلا کر روئے اور یہ دُعا کی:

"اے ربّ! سخت دِل گنہگار بوڑھے پر رحم کر۔ الٰہی اس کی لغزشیں معاف کر دے۔ اس کے گناہ بخش دے۔ اپنے وسیع حلم کو اس شخص کے شامِل حال کر دے۔ جس نے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی نہ تیرے سوا کسی پر بھروسہ کیا۔"

عین انتقال کے وقت دو شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ ہے کہ:

کاش! میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی۔

کاش! لذتیں حاصل کرنے میں اندھا نہ ہوتا۔

کاش! اس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہے۔

(۱۸) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ، کے عہدِ خلافت میں

ایک نوجوان ایک نامحرم عورت کے مکان پر بُری نیت سے گیا۔ جب وہ دروازے پر پہنچا تو کسی کی تلاوت کی یہ آواز اس کے کانوں میں آئی۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّہُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔"

(جو لوگ متقی ہیں، ان پر جب شیطان کی جانب سے کوئی حملہ ہوتا ہے تو وہ متنبّہ ہو جاتے ہیں اور معاً ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔

نوجوان یہ سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا اور عورت نوجوان کو اسی حالت میں دروازے پر چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ اتفاقاً نوجوان کا باپ اِدھر آنکلا اور اُسے اٹھا کر گھر لے گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اس کی زبان پر یہی آیت جاری ہوئی اور اس کی جان نکل گئی۔ لوگوں نے اُسے دفن کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ اس کی قبر پر گئے اور کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھی۔

"وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ۔"

(جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لئے دو جنّتیں ہیں)

(۱۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک بار خلیفہ عبدالملک کے ساتھ سفر میں تھے۔ کچھ ہمراہیوں کے سامان پیچھے رہ گئے۔ اس لئے شاہی سواری ایک مقام پر ٹھہر گئی۔ جن کے سامان روانہ ہو چکے تھے۔ وہ آرہے تھے اور جن کے سامان نہیں تھے۔ وہ ویسے ہی کھڑے تھے۔ اتنی بات پر آپ کو آخرت کی یاد آگئی اور فرطِ تاثر سے رو پڑے۔ آپ کے اس طرح رونے سے خلیفہ عبدالملک نے تعجب سے پوچھا کہ اس وقت رونے کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے کہا:

"کل قیامت کے دن بھی ایسا ہی ہوگا۔ جس نے یہاں سے کچھ بھیجا ہوگا۔
اُسے تو مل جائیگا اور جس نے نہ بھیجا ہوگا، وہ محروم رہے گا۔"

ایسی سوچ دل کی بیداری اور خوش بختی کی علامت ہے۔ کاش! ہماری سوچ کا دھارا بھی اس سمت بہنے لگے۔

قرآن مجید میں بھی اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے دن) کے لیے کیا سامان بھیجا (پھر سن لو) اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ اس کی خبر رکھتا ہے۔"

(۲۰) اپنے عہدِ خلافت میں ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے پہلے کا اطمینان اور فراغت کا زمانہ یاد آگیا تو بیوی سے فرمایا:

"ہمارا گزشتہ زمانہ کتنا راحت بخش اور خوش آئند تھا۔"

بیوی نے کہا:

"آج تو آپ کو اس زمانے سے کہیں زیادہ اقتدار و اختیار حاصل ہے۔
اس وقت آپ صرف ایک صوبہ کے حاکم تھے، لیکن آج پوری سلطنت آپ کے قبضہ میں ہے اور کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے۔"

یہ سن کر آپ نے بڑے پُر درد لہجے میں فرمایا:

"فاطمہ! تم صرف یہ دیکھ رہی ہو کہ میں ساری سلطنت کا فرمانروا ہوں۔
ذرا اس ذمہ داری کا بھی خیال کرو۔ جو اس فرمانروائی کی وجہ سے مجھ پر آپڑی ہے میں اس روز جزا کی باز پرس کے خوف سے لرزہ براندام رہتا ہوں۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

"اِنِّیٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔"

اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو (اس کی پاداش میں) ایک بڑے
دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔"
اس جواب میں ایسا درد تھا کہ فاطمہ بے اختیار رو پڑیں اور خدا سے دُعا کرنے لگیں
کہ خدایا! ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

(۲۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے آخری لمحات میں ان کے لیے جو کفن منگوایا گیا تھا۔ وہ بہت معمولی کپڑے کا تھا۔ جسے دیکھ کر ان کے رشتہ کے بھائی (یعنی آپ کی بیوی کے بھائی) مسلمہ نے کہا:

"آپ نے کفن کے لیے جو رقم دی تھی۔ اس سے بہت معمولی کپڑا خریدا جا سکا۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس سے اچھا کفن منگوالیا جائے۔"

آپ نے فرمایا:

"وہ کپڑا میرے پاس لاؤ۔"

جب کپڑا آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے ایک نظر دیکھ کر فرمایا:

"اگر میرا رب مجھ سے راضی ہے تو مجھے اس کی طرف سے اس سے بہتر کفن مل جائے گا اور اگر میرا رب مجھ سے ناراض ہے تو جو کفن ہوگا، ایک جھٹکے سے دُور کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ جہنم کا کفن پہنا دیا جائے گا۔"

(۲۲) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک بار کسی جنازہ میں شریک ہوئے اور میت کی تدفین کے بعد اتنا روئے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر فرمایا:

"لوگو! قبر کی تنگ و تاریک کوٹھڑی دنیا کی آخری منزل اور آخرت کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس لیے اس دنیا پر کیا ناز کرتے ہو۔ جس کا یہ انجام ہے اور آخرت کی ہولناکیوں سے کیوں نہیں ڈرتے۔ جس کی اوّل

منزل یہ ہے۔

(۲۳) حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ایک بار حج کو گئے اور احرام باندھ کر سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے آپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے "لبیک" تک نہ نکلا۔ لوگوں نے کہا:

"آپ لبیک کیوں نہیں کہتے"

فرمایا:

"ڈرتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور اُدھر سے جواب ملے' لا لبیک" (یعنی تیری حاضری قبول نہیں)

لوگوں نے کہا:

"مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے۔

لوگوں کے اصرار پر آپ نے کہا تو سہی، مگر جیسے ہی زبان سے لبیک نکلا آپ بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے اور حج ہونے تک اس حالت میں رہے۔

(۲۴) یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک بار میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک ہوا۔ آپ نے سورہ زلزال پڑھی جس کے آخر میں ہے۔

ترجمہ: جو شخص ذرّہ برابر نیکی کرے گا۔ وہ بھی قیامت میں اس کی جزا کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرّہ برابر بدی کرے گا۔ وہ بھی اس کی سزا کو دیکھ لے گا۔"

لوگ تو نماز پڑھ کر چلے گئے مگر میں وہاں ہی ٹھہرا رہا اور امام صاحب ٹھنڈی سانس بھرتے رہے۔ میں آپ کی یہ حالت دیکھ کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ جب صبح کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تو دیکھا کہ امام صاحب ابھی تک غمزدہ بیٹھے ہیں اور داڑھی

ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں۔

"اے وہ ذات جو ذرّہ برابر نیکی اور ذرّہ برابر بدی کا بدلہ دے گی اپنے غلام نعمان کو دوزخ کی آگ سے بچانا۔"

○

دنیا ایک جیل خانہ ہے

حدیث مبارکہ کے مطابق یہ دنیا مومن کے لیے جیل خانہ ہے۔ کیونکہ یہاں اس پر کچھ پابندیاں عائد ہیں اور وہ اپنی مرضی سے سب کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لیے اگر مرنے والا نیک ہے تو دنیا کے جھگڑوں اور ان پابندیوں سے نجات حاصل کرلیگا لیکن اگر وہ بُرا شخص ہے تو ایک اس کی شرارت سے نجات پا جائیں گے۔ اس دنیا میں جو لوگ وقت کو ضائع کرتے ہیں انہیں آخرت میں بہت حسرت ہوگی کہ ہم نے فلاں وقت کو فضول باتوں اور کھیل تماشے میں کیوں گزار دیا۔ نماز کیوں نہ پڑھی ذکر کیوں نہ کیا۔

اللہ والے موت کو تفریح سمجھتے ہیں اور اسے راحت کا ذریعہ جانتے ہیں اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مومن مرنے کے بعد کن کن نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ اور کس کس راحت کا لطف اٹھاتا ہے تو مرنے والے کا غم اتنا شدید نہ ہوگا لیکن افسوس ہے کہ ہم نے آخرت کو بھلا دیا ہے اور دُنیا ہی کے بندے بن کر رہ گئے ہیں ہم یہاں کھانے پینے اور پہننے کی فکر کا ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ نے جب بلخ کی سلطنت کو ٹھوکر مار کر درویشی اختیار کرلی۔ تو ان کے وزیر نے ایک روز جنگل میں جا کر ان سے عرض کیا کہ سلطنت تباہ ہو رہی ہے اور رعایا پریشان حال ہے۔ آخر درویشی کے ساتھ سلطنت بھی تو چل سکتی ہے آپ واپس

تشریف لے چلیں اور سلطنت کا کاروبار سنبھالیں۔ آپ نے وزیر کی بات سُن کر فرمایا:

"جب تک کوئی فکر دماغ میں ہوتی ہے اس وقت تک دوسرا کام خوش اسلوبی سے نہیں ہو سکتا۔ اگر تم میری اس فکر کو دُور کر دو۔ جو مجھے لاحق ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ سلطنت کا کام پھر اپنے ہاتھ میں لے لونگا۔"

وزیر نے سمجھا کوئی معمولی فکر ہوگی عرض کیا ارشاد فرمائیں ہم لوگ آپ کی اس فکر کو دُور کرنے کی انتہائی کوشش کریں گے آپ نے فرمایا اللہ پاک کا فرمان ہے کہ ایک فریق جنّت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں اس پر مجھے یہ فکر پریشانی کر رہی ہے کہ میں ان میں سے کس فریق کے ساتھ ہوں گا۔ تم مجھے اس فکر سے آزاد کر دو۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔

وزیر آپ کی بات سُن کر حیران رہ گیا۔ اور اسے خود یہ فکر دامنگیر ہو گئی مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں آخرت کی فکر دامنگیر ہے اور وہ اسے سنوارنے کے لیے اپنی صلاحیتوں سے بھرپور کام لے رہے ہیں اللہ پاک ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

موت کا وقت مقرر ہے

یوں تو بیماری انسانی جسم کا خاصہ ہے۔ وہ کسی وقت بھی بیمار ہو سکتا ہے اور اس کی تیمار داری اور عیادتِ اسلام کے نزدیک بہت ضروری فرائض ہیں، لیکن مرض الموت میں اپنے پرائے کی تیمار داری اور عیادت بے حد و حساب ثواب کا باعث ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ بیمار کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کے پاس بیٹھے۔ اُسے تسلّی دے۔ اس کی ضروریات اور دواؤں کا خیال رکھے اور حوصلہ افزا باتوں سے اس کی مایوسی اور پریشانی کو دور کرے۔

اللہ پاک نے انسانی فطرت میں یہ بات شامل کر دی ہے کہ وہ مصیبت کے وقت دوسروں کے کام آئے اور انسان کے مدنی الطبع ہونے کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ جب وہ دوسروں کی مصیبت کے وقت ان کے کام آئے گا تو دوسرے بھی مصیبت کے وقت اس کے لیے راحت کا سامان بہم پہنچانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ!

"اگر ایک مسلمان بیمار ہو جائے تو اسلامی اخوّت کی بنا پر تم ہر روز اس کی عیادت کے لیے جایا کرو اور اس سے پوچھو کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو آپ فرمائیں تا کہ اس

کا بندوبست کیا جائے۔ اس سے مریض کا دل بہل جائے گا اور اخوت کے حقوق بھی ادا ہو جائیں گے۔"

۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"مریض کی مکمل عیادت یہ ہے کہ عیادت کرنے والا اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا اس کے ہاتھ پر رکھے اور اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے۔"

۳ ایک حدیث شریف میں یہ سوالات بھی آئے ہیں۔ تم نے دن کیسے گزارا؟ اور تم نے رات کیسے گزاری؟

۴ حدیث شریف میں جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق کا تذکرہ ہے۔
اس میں ایک حق یہ ہے کہ:
"مریض کی عیادت کیا کرو۔"

۵ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے:
"بھوکے کو روٹی کھلاؤ۔ مریض کی بیمار پرسی کرو اور قیدی کو رہا کراؤ۔"

۶ مریض کی تیمارداری کے سلسلے میں آپ نے جو آداب سکھائے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:
"مریض کے پاس بیٹھ کر اس کو صحت اور دوسری اچھی باتوں کی خوشخبری دینی چاہیئے۔ مریض سے اس وقت جو بات بھی آپ کہیں گے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر آمین کہیں گے۔"
چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:
"جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اچھی باتیں ہی کہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے فرشتے اسی پر آمین کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔"

(۷) مریض کے پاس بیٹھ کر اس کی دل جوئی کرنا طبّی لحاظ سے بھی بہت مفید ہے۔ کیونکہ اس طرح بعض اوقات مریض کا مرض دُور ہو جاتا ہے، ورنہ اُسے اُس میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ جس سے اُسے فرحت ہوتی ہے۔

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے کہو، اللہ تعالیٰ تجھے شفا دے گا اور تجھے لمبی عمر عطا کرے گا، اگرچہ ایسا کہنے سے اس کی تقدیر تو نہیں بدل سکتی لیکن مریض کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔"

(۹) مریض کے پاس بیٹھ کر اس کے لیے دُعا کرنی چاہیئے۔ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی دستور تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے یا کسی مریض کو آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ اس کے لئے ان الفاظ میں دُعا فرماتے تھے۔

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا۔

اے اللہ اس بیماری کو دُور فرما دے اور اس مریض کو شفا عطا فرما دے کیونکہ شفا دینے والی صرف تیری ہی ذات ہے۔ اور نہ کوئی شفا مگر وہ جو تیری طرف سے ہے۔ ایسی شفا جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔"

(۱۰) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

"لَا بَاسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰے"

فکر کی کوئی بات نہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہ بیماری تمہاری روحانی اور جسمانی پاکیزگی کا ذریعہ بنے گی۔"

(۱۱) سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جو کسی کی عیادت کے لیے جائے تو مریض کے نزدیک سات بار یہ کہے :

اَسْئَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ۔

(میں سوال کرتا ہوں۔ اللہ بزرگ و برتر سے جو عرشِ عظیم کا پروردگار ہے کہ وہ تجھ کو شفا عطا فرمائے۔)

(۱۲) مریض کی عیادت کے لئے اس کی بیماری کے دو تین دن بعد جانا چاہئے (بشرطیکہ کوئی حادثہ وغیرہ نہ ہو چکا ہو) کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دو روز میں تندرست ہو جائے۔ ہاں اگر مرض شدید ہو یا کوئی حادثہ پیش آجائے تو جلد یا اسی روز ہی جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کے لیے عموماً تین روز بعد تشریف لے جاتے تھے۔

(۱۳) طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"بہترین عیادت وہ ہے جو تھوڑی ہو، کیونکہ مریض کو کبھی کسی چیز کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور وہ بیٹھنے والوں سے حیا کی وجہ سے اس کی حاجت کا اظہار نہیں کرتا۔"

(۱۴) بکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"مریض کی عیادت کی جاتی ہے اور تندرست آدمی کی زیارت، لہٰذا تم مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھا کرو، جس سے یہ پتہ چلے کہ تم زیارت کرنے والے ہو، کیونکہ عیادت اور زیارت میں بہت فرق ہے۔"

(۱۵) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"مریض کے پاس تھوڑا بیٹھنا اور تھوڑی باتیں کرنی چاہئیں"

(۱۶) اور ایک حدیث میں فرمایا:

"عیادت مختصر ہونی چاہیئے"

(۱۷) عیادت غیر مسلم کی بھی کی جا سکتی ہے۔

(۱۸) مریض کی عیادت آخرت کے اجرِ عظیم کے حصول کی نیّت سے کرنی چاہیئے۔

(۱۹) خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت رات کو کرتا ہے تو اس کی واپسی پر ستّر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنّت میں ایک باغ ہو گا۔ اور جو مریض کے پاس صبح کو جاتا ہو۔ اس کے لئے بھی ستّر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ رات ہو جاتی ہے اور اس کے لئے بھی جنّت میں ایک باغ ہو گا۔"

(۲۰) ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

"جو شخص اچھے طریقے سے وضو کرے اور اجر کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرے تو وہ جہنم سے ستّر برس کی مسافت تک دور کیا جائے گا۔"

(۲۱) ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا:

"مریض کی عیادت کرنیوالا جنّت کے باغ میں ہوتا ہے۔ پس جب وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی رحمت اُسے اپنی آغوش میں لے

لیتی ہے۔"

نیز فرمایا:

"مریض کی بیمار پرسی کرنیوالا بہشت کے باغ میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ واپس لوٹتا ہے۔"

(۲۲) مریض کی عیادت کرنا اور اس کا حال دریافت کرنا مستحب ہے اور جس کا کوئی رشتہ دار یا عزیز نہ ہو (یا آدمی خود مسافر ہو اور گھر سے دُور دراز ہو) جو اس کی خدمت اور دیکھ بھال کر سکتا ہو تو ایسے مریض کی تیمارداری مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے (اس لیے کہ اگر کوئی بھی ایسے مریض کی تیمارداری نہ کرے گا تو بستی کے تمام لوگ گناہگار ہوں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلّم عیادت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ بلکہ آپ تو غیر مسلموں کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۲۳) آپ نے عیادت کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"قیامت کے روز خدا فرمائے گا۔

اے آدم کے بیٹے میں بیمار پڑا اور تو نے میری عیادت نہ کی۔"

بندہ کہے گا:

"پروردگار آپ تو ساری کائنات کے رب ہیں۔ بھلا میں کس طرح آپ کی عیادت کرسکتا۔"

خدا کہے گا:

"میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو تُو نے اس کی عیادت نہ کی اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔"

(۲۴) آپؐ نے فرمایا:

"جب کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے یا اس سے ملاقات

کے لئے جاتا ہے تو ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے ۔

تم بڑے مُبارک ہو ۔

تمہارا چلنا مُبارک ہو ۔

تم نے جنّت میں اپنے لئے ٹھکانہ بنالیا ہے ۔"

(۲۵) مریض کے پاس بیٹھ کر اس کی تسلّی وتشفّی کی باتیں کی جائیں صبر و شکر کی تلقین کی جائے اور اسے اس طرف متوجہ کیا جائے کہ بیماری بھی خدا کی رحمت ہے ۔ اس لئے کہ مومن کو معمولی سے معمولی جو تکلیف بھی پہنچتی ہے ۔ وہ اُس کی کوتاہیوں کا کفارہ بنتی ہے ۔

(۲۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو دریافت فرماتے :

كَيْفَ تَجِدُكَ : کہیئے طبیعت کیسی ہے ۔

پھر تسلی دیتے اور فرماتے :

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ، خدا نے چاہا تو یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے کا سبب بنے گی"۔

(۲۷) حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"مسلمان کو جو بھی مصیبت ۔ بیماری ۔ پریشانی ۔ کڑھن ۔ رنج ۔ اذیّت اور غم واندوہ پہنچتا ہے ۔ یہاں تک کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو خدا اس کے سبب سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے ۔"

(۲۸) مریض کے پاس بیٹھ کر اس کے لیئے دُعا کرنا بھی مسنون ہے ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت

کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنا دایاں ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے نیز فرمایا:

اور یہ دُعا کرتے۔

"اے انسانوں کے پروردگار اس مریض کا دُکھ دُور کر دے۔ اس کو شفا دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ شفا دینا تیرا ہی کام ہے۔ ایسی کامل شفا عطا فرما کہ بیماری کا نام و نشان نہ رہے۔"

(۲۹) مریض سے اپنے لئے بھی دعا کرانی چاہیئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جب تم کسی مریض کی عیادت کے لئے جاؤ تو اس سے اپنے لئے بھی دُعا کی درخواست کرو۔ مریض کی دُعا ایسی ہے۔ جیسی فرشتوں کی دُعا"۔ (فرشتے خدا کی مرضی پا کر ہی دُعا کرتے ہیں اور ان کی دُعا قبول ہوتی ہے)

(۳۰) مریض کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھنا مناسب نہیں ہے لیکن اگر مریض خود چاہے کہ عیادت کرنیوالا کچھ دیر اور وہاں بیٹھے تو پھر وہاں بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم فرماتے ہیں کہ:

"مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھنا اور شور و غل نہ کرنا مسنون ہے۔"

والدین کے حقوق

اگرچہ بظاہر اس عنوان کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن آئندہ صفحات کے مطالعہ کے بعد قارئین کو اس باب کی اہمیت کا اندازہ ہو جائیگا۔ سردست ہم آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ جدیدیت کے اس دور میں بوڑھے والدین کی جو درگت ان کے ٹکڑے پر پلنے والی اولاد کے ہاتھوں بن رہی ہے۔ اس کی ایک دھندلی سی تصویر آپ کو مغربی ممالک میں پھیلی ہوئی بوڑھوں کی قیام گاہوں - OLD-AGE HOMES میں ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوتے اداس۔ مایوس اور موت کے منتظر ان بوڑھوں کی صورت میں نظر آجائے گی۔ جنہیں ان کی اولادوں نے بیک بینی و دوگوش اپنے بنگلوں سے نکال دیا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ وطن عزیز میں یہ لعنت ابھی تک اپنے پنجے گاڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکی، لیکن اس کی بڑھتی ہوئی پرچھائیں کو دیکھ کر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے حقوق کا ایک مختصر سا تذکرہ اس جگہ کر دیا جائے تاکہ ہماری نئی نسلیں مغرب کی اندھی تقلید میں اپنی دنیا اور آخرت برباد نہ کرنے پائیں اور اور مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد ان کی خدمت کر کے ان دو کھڑکیوں کے راستے جنّت میں داخل ہو جائیں۔

(۱) اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے:

"اور حکم کر چکا تیرا رب کہ اس کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی منزل کو پہنچ گئے تو ان کو اُف تک نہ کہہ اور نہ اُن کو جھڑک اور اُن سے ادب سے بات کر اور ان کے سامنے نیاز مندی سے ہاتھ پھیلا دے اور دُعا کر۔ اے میرے رب ان پر اپنا رحم فرما۔ جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا۔"

(۲) اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

"اور ہم نے انسان کو تاکید کر دی اس کے والدین کے بارے میں کیونکہ اس کی ماں نے اُسے پیٹ میں اُٹھائے رکھا۔ سخت تکلیف میں اور دُودھ چھڑایا، اس کا دو سال میں کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی آخر تمہیں میری طرف آنا ہے۔"

(۳) ایک مرتبہ ایک شخص نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا :

"تیری ماں۔"

اُس نے پھر پوچھا، اور کون :

آپؐ نے فرمایا :

"تیری ماں"

اس نے پھر پوچھا، اور کون:

آپؐ نے فرمایا :

"تیری ماں۔"

پھر چوتھی مرتبہ پوچھنے پر فرمایا:

"تیرا باپ"

④ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، کنجوسی اور مانگنا اور بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا حرام کر دیا ہے۔ اور تمہارے لئے بحث و تکرار کثرتِ سوال اور مال کا ضائع کرنا ناپسند فرمایا ہے۔"

⑤ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"یارسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے۔"

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"والدین سے نیکی کرنا"

⑥ ایک دفعہ ایک انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا والدین کی موت کے بعد بھی کوئی نیکی ایسی ہے۔ جو میں ان سے کر سکتا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"چار چیزیں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے تم ان کی وفات کے بعد ان سے نیکی اور حُسنِ سلوک کر سکتے ہو۔"

① ان کے لیے دُعا کرنا اور مغفرت چاہنا۔

② ان کے بعد ان کے عہد اور وصیّت کو پورا کرنا۔

③ ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا

④ اور جو لوگ صرف والدین کی طرف سے قرابت رکھتے ہوں، ان کے

ساتھ صلۂ رحمی کرنا۔

⑦ ہر وقت ان کی عزت کی جائے اور اپنے قول و فعل سے ان کی تعظیم میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے، بلکہ ان کے سامنے عاجز اور درماندہ بن کر بات کرنی چاہیئے۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے اونچا نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ اپنے اہل و عیال کو ان پر ترجیح دی جائے۔ مثال کے طور پر ان کے کھانے پینے۔ رہنے سہنے۔ لباس۔ بیماری اور ایسے ہی دیگر تمام معاملات میں ان کو اپنے اُوپر ترجیح دی جائے۔ والدین کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے حق میں دُعا کرنا اور ان کے گناہوں کی بخشش کے لیے اللہ تعالےٰ سے استغفار کرنا ضروری ہے۔

⑧ ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا سارا مال و متاع چھین لیا ہے۔

اس پر آپؐ نے فرمایا:

"تو اور تیرا مال دونوں اپنے باپ کے ہو۔"

⑨ یاد رکھیئے! ماں باپ کے نافرمان کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

○

عیادت و تیمارداری

چونکہ نماز کسی صورت میں معاف نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ معذور اور بیمار کی نماز کا تذکرہ کیا جائے اور اس کے متعلق ضروری مسائل درج کر دیئے جائیں تاکہ بیماری کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم ہو سکے اور مرتے دم تک نمازیں ادا ہو سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک ارشاد کے مطابق خوش بخت وہ شخص ہے۔ جس کی زبان مرتے وقت اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

اس سلسلے میں ضروری مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

(١) نماز کو کسی صورت میں ترک نہیں کیا جا سکتا اور مرض خواہ کیسا ہی شدید ہو، جہاں تک ممکن ہو، وقت پر نماز کو ادا کرنا چاہیئے۔

(٢) اگر نماز کے سارے ارکان کھڑے ہو کر ادا کرنے کی ہمت نہ ہو تو بیٹھ کر یا لیٹ کر یا اشارے سے ہی ادا کرنا چاہیئے۔

(٣) اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی ہمت نہ ہو تو جتنی دیر تک کھڑا ہونے کی طاقت ہو۔ اتنی دیر تک نماز میں کھڑا رہے اور باقی نماز بیٹھ کر پڑھ لے حتیٰ کہ اگر کوئی مریض یا معذور صرف تکبیر تحریمہ کہنے کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہے اور پھر بیٹھ کر نماز پوری کرے۔

(۴) اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے بالکل ہی معذور ہو یا کمزوری کی وجہ سے گر جانے کا خطرہ ہو یا کھڑا ہونے سے چکرا آتا ہو یا کھڑا ہونے سے غیر معمولی تکلیف ہوتی ہو یا اگر کھڑا ہو بھی جائے تو رکوع اور سجود ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسی تمام صورتوں میں بیٹھ کر نماز پڑھے۔

(۵) بیٹھ کر نماز پڑھنے میں اگر ممکن ہو تو مسنون طریقے سے بیٹھے۔ جس طرح التحیات پڑھتے وقت بیٹھتے ہیں اور اگر اس طرح بیٹھنا بھی ممکن نہ ہو، تو پھر جس طرح سہولت ہو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ اگر رکوع و سجود نہ کر سکتا ہو تو اشاروں سے کام لے۔

(۶) اشاروں سے رکوع و سجود ادا کرنے میں آنکھ اور ابرو سے اشارہ کرنا کافی نہیں ہے۔ سر سے اشارہ کرنا چاہیئے۔ رکوع میں کسی قدر کم سر جھکائے اور سجدے میں نسبتاً زیادہ جھکائے۔

(۷) اگر سجدہ کرنے میں زمین تک پیشانی لے جانے کی طاقت نہ ہو تو صرف اشارہ کافی ہے۔ تکیہ وغیرہ کو پیشانی تک اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۸) اگر بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی سکت نہ ہو یا غیر معمولی تکلیف ہوتی ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو یا زخم کے ٹانکے وغیرہ کھلنے کا اندیشہ ہو تو پھر لیٹے لیٹے نماز پڑھے۔ لیٹ کر نماز پڑھنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ آدمی چت لیٹ کر قبلے کی طرف پیر کرے، لیکن پیر پوری طرح نہ پھیلائے، بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر سر ذرا اونچا کرے اور اشاروں سے رکوع و سجود کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر شمال کی جانب سر کرکے داہنی کروٹ پر لیٹ کر نماز ادا کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو جس طرح ممکن ہو، ادا کرے، قضا نہ کرے۔

(۹) اگر کسی مریض کی کمزوری اس حد تک بڑھ گئی ہو کہ اشاروں سے بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو پھر اس وقت نماز نہ پڑھے۔ صحت مند ہونے پر اس کی قضا

کرے اور اگر یہ کیفیت پانچ نمازوں سے زیادہ وقت تک قائم رہے اور ان نمازوں سے زیادہ وقت تک قائم رہے تو پھر ان نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے۔

بلکہ یہ نمازیں معاف ہیں۔ اسی طرح اگر کمزوری کی وجہ سے غشی طاری ہو جائے اور چھ وقت کی نمازوں تک مریض بے ہوش رہے تو پھر ان نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تندرست آدمی پر یکایک بے ہوشی کی کیفیت چھٹی نماز کے وقت تک رہے تو یہ نمازیں معاف ہیں۔ ان کی قضا واجب نہ ہو گی۔

(۱۰) اگر کسی پر نماز کے دوران مرض کا حملہ ہو جائے اور وہ کھڑا ہونے سے معذور ہو جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور بیٹھنے سے بھی معذور ہو تو لیٹ کر پڑھے رکوع اور سجود نہ کر سکتا ہو تو اشاروں سے رکوع و سجود کرے۔ غرض باقی نماز جس طرح بھی پڑھ سکتا ہو۔ اسی طرح پڑھ لے۔

(۱۱) تندرستی کے دنوں میں اگر کسی کی کچھ نمازیں قضا ہو گئیں اور پھر وہ بیمار پڑ گیا تو ان نمازوں کی قضا پڑھنے کے لئے اس کو بیماری سے اُٹھنے اور صحت یاب ہونے کا انتظار نہ کرنا چاہیئے بلکہ بیماری کے دوران ہی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر (جس طرح سے ممکن ہو) ان کی قضا پڑھ لینی چاہیئے۔

(۱۲) اگر بیمار کا بستر وغیرہ ناپاک ہو اور دوسرا بستر مہیا نہ ہو سکتا ہو۔ یا بستر بدلنے میں غیر معمولی زحمت اور تکلیف ہو تو پھر نجس بستر پر ہی نماز پڑھ لینا درست ہے۔

معذور اور بیمار کی نماز

بعض لوگ یہ کہتے رہتے ہیں کہ زندگی بھر خوب عیش و عشرت کرتے رہیں گے اور جب بوڑھے ہو جائیں گے تو توبہ کر لیں گے۔ یعنی رند کے رند بھی رہے اور جنّت بھی ہاتھ سے نہ گئی۔ حالانکہ کسی کو بھی موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ موت کے لیے نہ بڑھاپا شرط ہے نہ بیماری۔ بلکہ جب وقت آجاتا ہے تو ملک الموت حاضر ہو جاتا ہے۔ ہزاروں انسان عارضۂ قلب میں مبتلا ہو کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں آدمی حوادث میں مُبتلا ہو کر جان دے دیتے ہیں۔ ہم دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی آج ہم سے مل رہا ہے اور کل سُن لیتے ہیں کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا کہ مرنے کے وقت توبہ کر لیں گے۔ شیطان کا دھوکا ہے۔ کیونکہ کسی کو خبر نہیں کہ اس کی موت کا وقت کب آنے والا ہے۔ توبہ کو ٹالتے رہنا اور گناہوں میں مست رہ کر زندگی گزارنا سخت نادانی کی بات ہے، کیونکہ جب موت کا فرشتہ آکر کھڑا ہو گا تو اس وقت توبہ کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ بعض لوگ ملک الموت سے کہیں گے:

"اے ملک الموت مجھے ذرا سا وقفہ دے تاکہ میں توبہ کر لوں۔"

اس کے جواب میں ملک الموت فرمائیں گے:

"میرے پچاسوں قاصد تیرے پاس پہنچے، لیکن تُونے توبہ نہ کی، اب آخر

میں خود آیا ہوں تو تجھ کو توبہ کی سوجھ رہی ہے۔"

آدمی کہے گا:

"میرے پاس تو آپ کا کوئی قاصد نہیں پہنچا۔"

اس پر ملک الموت فرمائیں گے:

"کیا تجھ پر بڑھاپا نہیں آیا۔ یہ میرا ہی قاصد تھا کہ اب موت کا وقت قریب ہے۔

کیا تیرے سر اور داڑھی میں سفید بال نہ آئے تھے۔ یہ بھی میرے ہی قاصد تھے۔ جو تجھے بتا رہے تھے کہ تیری موت کا وقت اب قریب آرہا ہے کیا تیرے پوتے اور نواسے نہیں پیدا ہوئے۔ یہ بھی میرے ہی قاصد تھے۔ جو بتا رہے تھے کہ اب قبر میں جانے کا وقت قریب آرہا ہے۔

جب تو نے اتنے قاصدوں کی بات بھی نہ سمجھی اور توبہ نہ کی تو اب تو میں خود آگیا ہوں۔ اب توبہ کا کونسا موقع ہے۔ اب تو وقت گزر چکا ہے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔"

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کسی کی آدھی عمر گزر چکی ہے۔ کسی کی آدھی سے زیادہ گزر گئی ہے۔ کوئی موت کے بالکل قریب آگیا ہے۔ کوئی قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے۔ آخر عبرت کا اور کونسا وقت آئیگا۔

دنیا میں سب سے بڑی حقیقت موت ہے۔ جسے کسی صورت میں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

لیکن اسی حقیقت کی طرف سے ہم غافل ہیں اور دُنیا کی دلفریبیوں میں مست ہیں۔

حالانکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

ہر کسی کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

موت کا فرشتہ بادشاہ کے محل میں بھی اسی طرح بے روک ٹوک داخل ہو جاتا ہے جس طرح کسی فقیر کی جھونپڑی میں پہنچ جاتا ہے۔

یہ تو اللہ پاک کی کمالِ شفقت ہے کہ وہ ہماری سرکشی پر ہمیں فوراً سزا نہیں دیتا اس کا ارشاد ہے:

"اگر کہیں اللہ لوگوں کو ان کی زیادتی پر فوراً ہی پکڑ لیا کرتا تو روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ سب کو ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے۔ تو اس سے کوئی ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔" (النحل : ٦١)

غرض موت تو اپنے وقت پر ضرور آئے گی اور ہمیں اس جگہ گھیرے گی۔ جہاں ہمیں مرنا ہے۔ کیونکہ موت کا وقت مرنے کی جگہ اور موت کا سبب ایسی چیزیں ہیں جن کا فیصلہ ہماری پیدائش سے پہلے ہی کر دیا جاتا ہے۔

اپنی موت کے معاملہ میں بھی انسان اپنے مالک و خالق کے سامنے بالکل بے بس ہے۔ پیدائش اور موت میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ نہ اپنی موت کو ایک لمحہ کے لیے بھی ٹال سکتا ہے۔ جس وقت اور جس حال اور جس جگہ بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ اس وقت اس جگہ اور اس حال میں مر کر ہی رہتا ہے اور جس قسم کی قبر اس کے لیے مقدّر ہو چکی ہو تو وہی اُسے ملتی ہے۔ خواہ وہ سمندر ہو، آگ ہو، درندے کا پیٹ ہو یا زمین کا شکم ہو۔

موت کے سلسلہ میں قرآن مجید کے چند ارشادات درج ذیل ہے۔ اگر کسی صاحب کو زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو تو وہ ہماری کتاب[۵] "دمِ واپسیں سے رحمٰن کے فیصلے تک"

---

[۵] مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور

کا مطالعہ کریں۔

① جان نکلتے وقت

قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو ڈوب کر کھینچتے ہیں اور آہستگی سے نکال لے جاتے ہیں۔ (النزاعات : ۱ : ۲)

② جب جان حلق تک پہنچے گی

"ہرگز نہیں جب جان حلق تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا اور آدمی سمجھ لے گا کہ یہ دنیا سے جدائی کا وقت ہے اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی۔ وہ دن ہوگا تیرے رب کی طرف روانگی کا۔"

③ جب توبہ کا وقت ختم ہوگا

ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی بُرا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظرِ عنایت سے پھر متوجّہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔ مگر توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو بُرے کام کئے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ اس وقت وہ کہتا ہے، کہ اب میں نے توبہ کی اور اس طرح توبہ ان کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

(النساء ۱۷ : ۱۸)

④ اب اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور اپنے اس خیال میں تم سچے ہو تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے اور تم آنکھوں سے دیکھ

رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے۔ اس وقت اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟ اس وقت تمہاری بہ نسبت ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ مگر تم کو نظر نہیں آتے۔

(الواقعہ : ۸۳ - ۸۴)

(۵) توبہ

خوش نصیب ہے وہ جسے آخری لمحات میں بھی توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اگرچہ توبہ صحت و تندرستی کی حالت میں کرنا نجات اور سعادت کا باعث ہے یہ بھی اللہ کی خاص رحمت ہے کہ وہ سچی توبہ کو قبول کرتے ہیں۔

صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں :

توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں گناہ کے بعد بندے کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے۔ کہ ایک غلام جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اس سے منہ پھیر گیا تھا۔ اب اپنے کئے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی طرف پلٹ آیا ہے اور خدا کی طرف سے بندے پر توبہ یہ معنی رکھتی ہے کہ غلام کی طرف سے مالک کی نظر عنایت جو پھر گئی تھی وہ از سر نو اس کی طرف منعطف ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ میرے ہاں معافی صرف ان بندوں کے لئے ہے جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے اس کا دروازہ کھلا پائیں گے۔

مگر توبہ ان کے لئے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف ہو کر تمام تر گناہ پر گناہ کئے چلے جائیں اور پھر عین اس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہو معافی مانگنے لگیں۔ اس مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :

ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر

ترجمہ "اللہ بندے کی توبہ بس اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ آثار موت شروع نہ ہوں۔"

کیونکہ امتحان کی مہلت جب پوری ہوگئی اور کتابِ زندگی ختم ہو چکی تو اب پلٹنے کا کونسا موقع ہے اس طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۳۳)

توبہ کب قبول ہو سکتی ہے ؟

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح فرماتے ہیں :

جب موت سامنے آکھڑی ہوئی۔ اور آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور ملک الموت اور اُس عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں تو ایسے وقت میں گنہگار مسلمان کی گناہوں سے توبہ اور کافر کی اپنے کفر سے توبہ قبول نہیں۔ اور اس کا مقصد گنہگار مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ اپنے گناہوں سے جلد توبہ کر اور کافر کی طرح موت کا انتظار نہ کر۔

احادیث میں آیا ہے کہ جب تک غرغرہ کی حالت پیدا نہ ہو اس وقت تک توبہ قبول ہوتی ہے۔ اور جب نزع روح شروع ہو جائے اور فرشتے وغیرہ دکھائی دینے لگیں تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس وقت ایمان بالغیب نہیں رہا۔

(معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۳۶-۳۷)

(۶) موت کے وقت مہلت کا سوال

جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرو۔ بیشتر اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ کہے :

اے میرے رب کیوں نہ تُونے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ حالانکہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے (المنٰفقوٰن ۹ - ۱۱)

⑦ نزع کی تکلیف

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مواعظ میں فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

"جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت نزع دیکھی ہے۔ اس وقت سے سہولت نزع کی تمنا نہیں رہی۔ کیونکہ پہلے یہ خیال تھا کہ سہولت نزع کوئی اچھی اور مطلوب شئے ہے۔ مگر اب معلوم ہوا کہ شدت بھی مذموم نہیں۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں ہوتی۔"

روح کا جسم سے جدا ہونا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور یہ تکلیف ہر کسی کو ہوتی ہے

مولانا اشرف علی تھانوی رح اپنے مواعظ میں فرماتے ہیں:

دراصل شدت نزع کا انحصار نیکی اور بدی پر نہیں ہے بلکہ اس کے دو سبب ہیں ایک قوت جسم اور دوسرے کثرتِ تعلقات اگر جسم قوی ہے تو روح کی اس سے جدائی مشکل سے ہوگی اور اگر دنیا کے ساتھ تعلقات زیادہ ہیں تو روح کو جسم سے علیحدہ ہونا ناگوار ہوگا اس لئے وہ جسم سے اپنا تعلق دیر سے ختم کرتی ہے اگر مومن ہوگا تو فرشتوں سے سُن کر اللہ کی ملاقات کا مشتاق ہو جائیگا۔ اس وقت یہ حالت ہوگی جیسے کسی کا محبوب اسے ایک تنگ سی کھڑکی میں سے گزر کر اندر آنے کے لئے کہے۔ تو اب عاشق اس کھڑکی سے جوں توں کر کے گزرے گا خواہ اسے زخم ہی لگ جائیں اور یہ تکلیف اسے

محسوس تک نہ ہوگی بلکہ خوشی ہوگی کہ اس کا محبوب اسے یہ تکلیف برداشت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے وہ کہے گا:

ترجمہ: تیرے عشق کے جرم میں لوگ مجھے قتل کرتے ہیں اور شور رسا برپا ہے
تو بھی چھت پر آ کر دیکھ کیا عجب تماشا ہے

مومن کو نزع کی تکلیف

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مسلمان کو تو مرتے وقت بہت تکلیف ہوتی ہے اور یہ خوشی کے ساتھ جانے کی علامت نہیں ہے تو اس کا سبب ہے کہ نزع کی تکلیف مومن کے جسم کو تو ہوتی ہے مگر روح کو لذت حاصل ہوتی ہے جس کی ہمیں خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ روح دکھائی نہیں دیتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی معشوق عاشق کو بغل میں لے کر ایسا زور سے دبائے کہ اس کی آنکھیں نکل آئیں تو اس کے جسم کو تو بے شک تکلیف ہوگی مگر دل سے وہ اس حال میں بہت خوش ہوگا بلکہ اگر معشوق کہے کہ تم کو چھوڑ کر رقیب کو دباتا ہوں تو عاشق کہے گا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

پس نزع کی تکلیف اس کے گنہگار ہونے کی علامت نہیں ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

کل نفس ذائقة الموت سے اشارہ پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا اور یہ ظاہر ہے کہ روح کا جب اتصال (تعلق) بدن کے ساتھ ہے اسی کے نکلنے کے وقت تکلیف اور الم (غم) کا احساس امر طبعی ہے رہا بعض اہل اللہ کا یہ معاملہ کہ ان کو

موت سے لذت اور راحت ہوتی ہے کہ دنیا کی تنگیوں سے نجات ہوئی اور محبوب اکبر سے ملاقات کا وقت آگیا۔ تو یہ ایک دوسری طرح کی لذت ہے جو مفارقت (جدائی) بدن کی طبعی تکلیف کے منافی (خلاف) نہیں ہے

(معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۱۸۸)

مومن اور اس کی نزعِ موت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جب مومن دنیا سے رخصت اور آخرت میں آمد کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں۔

ان کے پاس جنّت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ منتہائے نظر کے فاصلے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سر کے پاس آکر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے جان جس کو خدا کے حکموں پر اطمینان تھا اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل وہ اس طرح (آسانی) سے نکلتی ہے جب مشک سے (پانی کا قطرہ) ڈھلک جاتا ہے گو تم (ظاہر میں) اس کے خلاف دیکھو (کہ شدت سے جان نکلی تو وہ شدّت جسم پر ہوتی ہے رُوح کو راحت ہوتی ہے) غرض فرشتے اس روح کو نکالتے ہیں۔

اور نکالنے کے بعد ملک الموت کے ہاتھ میں (فرشتے) چشم زدن کے لئے بھی نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اس کو (بہشتی) کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور اس سے ایسی خوشبو نکلتی ہے جیسے مشک کی تیز سے تیز خوشبو۔ پھر وہ اس کو لے کر اوپر کو چڑھتے ہیں سو فرشتوں کے جس گروہ پر ان کا

گزر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں یہ پاکیزہ روح کون ہے وہ اس کے اچھے سے
نام سے جو دنیا میں مشہور تھا۔ بتلاتے ہیں کہ فلاں بن فلاں ہے یہاں
تک کہ (اسی حالت سے) وہ اس کو قریب والے آسمان (یعنی سماء الدنیا)
کی طرف اور پھر وہاں سے (سب آسمانوں سے گزر کر) ساتویں آسمان تک
لے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کا نام علیین میں لکھ دو اور
اس کو (سوالِ قبر کے لئے) پھر زمین کی طرف لے جاؤ۔ سو اس کی یہ
روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے برزخ کے مناسب نہ کہ دنیا کی طرح
پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو (قبر میں) بٹھلاتے ہیں اور کہتے
ہیں تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے میرا ربّ اللہ ہے اور میرا
دین اسلام ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کون
تھے۔ جو تمہاری طرف مبعوث ہوئے وہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کے
پیغمبر ہیں وہ کہتے ہیں کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا وہ کہتا ہے کہ میں نے قرآن پڑھا
اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی پھر آسمان سے ایک منادی
(منجانب اللہ) ندا دیتا ہے کہ میرے بندہ نے صحیح جواب دیا اس کے لئے
جنّت کا فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو۔ اور اس کے
واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ پس اس کو جنّت کی ہوا
اور خوشبو پہنچتی ہے اور جہاں تک نگاہ جاتی ہے اس کے لئے قبر کشادہ
ہو جاتی ہے اور اس کے پاس ایک شخص عمدہ لباس عمدہ خوشبو والا
آتا ہے اور اس سے کہتا کہ تجھ کو خوشی کی بشارت ہو۔ یہ وہی دن ہے
جس کا تجھ سے وعدہ ہوتا تھا۔ وہ پوچھتا ہے کہ تو کون تیرے چہرے سے تو

خیر معلوم ہوتی ہے وہ کہتا ہے میں تیرا عمل صالح ہوں میت بار بار کہتی ہے
کہ اے رب (جلدی) قیامت قائم کر دیجئے تاکہ میں اپنے اہل و عیال میں
جاؤں (جو قیامت میں ملیں گے) (شوق وطن: از مولانا اشرف علی تھانوی صفحہ ۱۱۵، ۲)
(نوٹ: کافر مشرک منافق اور باغی انسانوں کے لئے اس کے بالکل الٹ صورت حالات
پیش آتی ہے)

حدیث نبوی میں ہے کہ روح جب نزع کے وقت تمام بدن سے کھینچتی ہے تو مومن کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے بعض لوگ عین نزع کے وقت با ہوش اور بشاش نظر آتے ہیں البتہ جب حلقوم میں آتی ہے تو احساس ہوتا ہے اور وہ بھی "تحیر" (حیرانی) کے ساتھ کہ یہ کہاں جارہی ہے یا میں کہاں جارہا ہوں اور اسی لئے اس کے نکلتے وقت نگاہ اوپر ہی کو اٹھی رہ جاتی ہے اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں گویا تحیر کے ساتھ آنکھیں اوپر کو دیکھتی رہ جاتی ہیں اس لئے موت کے بعد آنکھوں کو بند کر دینے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ (عالم برزخ: از قاری محمد طیب صفحہ ۴۷ - ۴۸)

خواہشات اور اُن کا علاج

چونکہ اللہ پاک نے انسان کو حواس خمسہ دے کر ارادے اور عمل کی آزادی دے دی ہے اس لیے ہر انسان آرزوؤں اور الجھنوں کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ساری زندگی جاری رہتا ہے۔ لہٰذا ہم آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ لیکن اس گفتگو میں جو الفاظ بار بار استعمال ہوں گے پہلے ان کی تشریح سن لیجیے۔

(۱) - شعور (CONSCIOUS) یہ لفظ آپ بار بار سنتے رہے ہیں اس لیے آپ اس کا مطلب خوب سمجھ لیں اور یاد رکھیں۔ شعور سوچ سمجھ اور عقل و فکر کا مرکز ہے۔ اسی کی بدولت انسان دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اور انسانی تہذیب کی نمود و نمائش اور نشو و نما اسی کی وجہ سے ہے۔

(۲) - لاشعور (UN-CONSCIOUS) یوں سمجھیے کہ یہ نفس (MIND) (دماغ کا وہ حصہ) ہے۔ جہاں ایسی خواہشات جمع ہوتی رہتی ہیں۔ جو پوری نہیں ہو سکتیں یا جنہیں ہم معاشرہ کے دباؤ کی وجہ سے پورا نہیں کر سکتے۔ گویا منع کی ہوئی خواہشات اس حصے میں جمع ہو جاتی ہیں۔ نیز ہر وہ واقعہ جسے ہم بھول جانا چاہتے ہیں۔ یہ سب مل جل کر اس حصہ میں اپنا ایک علیحدہ نظام قائم کر لیتے ہیں جو آہستہ آہستہ کردار پر اثر ڈالتا رہتا ہے اور یہ خواہشات اپنی تکمیل کے لئے ٹیڑھے اور ناپسندیدہ راستے اختیار کرتی رہتی ہیں۔ اب مختصراً یہ سمجھ لیجیے

کہ شعور تو ہر قسم کی خواہشات پیدا کرتا رہتا ہے جبکہ لاشعور ان خواہشات کی پرورش کرتا ہے جو پوری نہ ہو سکیں اور یوں ہمارے لیے الجھنیں پیدا کرتا رہتا ہے۔

(۳) ماحول (ENVIRONMENT) ہر وہ خارجی سبب جو انسانی زندگی پر کسی نہ کسی طریقے سے اثر انداز ہوتا رہے۔ یعنی گرد و پیش کے حالات۔

(۴) مطابقت ماحول (ADJUSTMENT) یعنی اپنے آپ کو حالات کے مطابق بنانا اور تمام مشکلات کا کامیابی سے مقابلہ کرنا۔

آرزوئیں

اس دنیا میں رہتے ہوئے ہمیں بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً کھانے پینے، رہنے سہنے اور کپڑے وغیرہ پہننے کی ضرورت زندگی گزارنے کے لیے لازمی ہے۔ پھر ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختلف قسم کی اشیاء درکار ہوتی ہیں کئی قسم کے کام کرنے پڑتے ہیں اور نام و نمود اور آرائش و زیبائش کا جذبہ ہمیں دوسروں سے آگے بڑھ جانے پر بھی مجبور کرتا ہے۔ عیش و آرام کرنے کا خیال بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح خواہشات ہمارے اندر پیدا ہوتی رہتی ہیں اور ہم ان کو کسی صورت میں بھی روک نہیں سکتے۔ تاہم یہ خواہشات تکلیف دہ نہیں ہوتیں کیونکہ یہ ضروریات (NECESSITIES) کے تحت آتی ہیں اور انسانی زندگی کی بقا اور بہبود کے لیے لازمی ہیں۔

الجھنیں (COMPLEXES)

جو خواہشات ضروریاتِ زندگی سے بڑھ کر عیش و عشرت (LUXURIES) تک جا پہنچتی ہیں۔ یا جن خواہشات کا پورا کرنا معاشرے یا مذہب کی نگاہ میں جرم اور گناہ ہوتا ہے۔ وہ خواہشات ہمارے ذہن میں کئی قسم کی الجھنیں پیدا کر دیتی ہیں۔ کیونکہ جرم اور گناہ کا احساس ہر آدمی کو پریشان کرتا رہتا ہے اور ایسی خواہشات ہر روز بڑھتی ہی جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ پوری نہ ہونے والی خواہشات ہمارے لاشعور میں جمع ہوتی رہتی ہیں اور پھر طرح طرح

سے ہمیں پریشان کرتی رہتی ہیں۔ کبھی ایک خواہش اپنی تکمیل کے لیے تنگ کرتی ہے کہ پہلے مجھے پورا کرو۔ کبھی دوسری کہتی ہے میری تکمیل کرو۔ اور ہم کسی کو بھی پورا نہیں کر سکتے۔ اس طرح ذہن میں ایک مستقل جنگ اور کشمکش کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کشمکش کی وجہ سے ذہن تھک جاتا ہے۔ بدن کمزور ہونے لگتا ہے اور پھر اعصابی بیماریاں گھیر لیتی ہیں۔ اور اگر اس قسم کی ناپسندیدہ خواہشات کو کچلنے کی بجائے ان کی تکمیل میں ساری زندگی گزار دی جائے تو پھر آخری لمحات کا سخت تکلیف دہ ہو جانا ضروری ہے اور خوف و خطرہ۔ رنج و ملال اور مایوسی بے چینی بھی اپنی خوفناک صورتوں کے ساتھ آخری گھڑیوں میں نمودار ہو جاتی ہیں۔

○

اعصابی امراض

خواہشات کا بڑھنے جانا۔ یا ان کا پورا نہ ہونا بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے اور جب ان کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو مندرجہ ذیل بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں اعصابی امراض (HYSTERIA) کہتے ہیں۔

انجانے خوف۔ وحشت۔ گھبراہٹ۔ مایوسی۔ چڑچڑاپن۔ تشویش۔ بیزاری و بوریت وحشتناک خواب وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کی وجہ سے ہاضمہ خراب ہونے لگتا ہے۔ نیند کم آتی ہے۔ رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ چکر آنے لگتے ہیں۔ گیس اور بدہضمی سے کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ نظر کمزور ہو جاتی ہے۔ تھوڑا سا کام کرنے سے دماغ تھک جاتا ہے۔ پڑھنے لکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ کچھ یاد نہیں ہونے پاتا۔ اس طرح آہستہ آہستہ صحت خراب ہونے لگتی ہے۔ پھر ڈاکٹروں کے چکر میں پھنس کر جیب کا صفایا بھی ہو جاتا ہے۔ کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کبھی کبھی عارضی طور پر آرام بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن مرض کی جڑ نہیں جاتی۔ بلکہ مختلف شکلوں میں طرح طرح کے امراض نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر، دھڑکن اور ہسٹریا وغیرہ مستقل طور پر گھیر لیتے ہیں۔ اکثر عورتیں اور بالخصوص نوجوان لڑکیاں کبھی کبھی چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔ کبھی بے اختیار ہنسنے یا رونے لگتی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں ان پر جنّ کا غلبہ ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ صرف اس کی پوری نہ ہونیوالی خواہشات کی

شعبدہ بازی ہے۔

نوجوانی کے عالم میں ایسی ہی ناکام خواہشات کی بدولت لڑکے آوارہ گرد ہو جاتے ہیں۔ چوری کرنے لگتے ہیں۔ لڑکیوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ اس طرح خود بھی بدنام ہوتے ہیں اور اپنے خاندان کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ ان میں جھوٹ بولنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ خود پسند اور ضدی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان خواہشات میں سب سے زیادہ طاقتور اور خطرناک خواہش جنسی جذبے کی تسکین ہوتی ہے۔

○

خیالی پلاؤ
(DAYDREAMING)

جب خواہشات پوری نہیں ہوتیں اور ان کو ہم اپنے دماغ سے کھرچ کر باہر نکال دینے کی قوت نہیں پاتے بلکہ ان کو دبانے میں ناکام رہتے ہیں اور ان سے نجات حاصل کرنے کی بجائے دل ہی دل میں اس کا لطف اٹھاتے اور چٹخارے لیتے رہتے ہیں تو اسے خیالی پلاؤ پکانا کہتے ہیں اس طرح تصوّر ہی تصوّر میں ان خواہشات کو پورا کرنے لگتے ہیں جس سے ہماری عملی قوتیں کمزور ہوجاتی ہیں اور ہم ایک عملی آدمی (PRACTICAL MAN) نہیں رہتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم زندگی کی دوڑ میں ناکام رہتے ہیں اور دنیا میں ذلیل و خوار ہوجاتے ہیں۔ پھر زندگی کی گہما گہمی۔ اس کی رنگینی اور دوستوں کی محفل سب پھیکی اداس اور خشک سی محسوس ہونے لگتی ہے اور ہم ان میں کوئی کشش نہیں پاتے اس طرح ترقی کرنے کا جذبہ مرجاتا ہے اور ہم دل شکستہ مایوس۔ ناکام اور ناپسندیدہ انسان بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ احساس کمتری ہمیں ذلّت کی گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے اور اس کا بھیانک روپ تو آخری لمحات میں اس قدر خوفناک بن کر سانپ کی طرح ڈسنے لگتا ہے کہ آدمی کی روح چیخ چیخ کر ان سے پناہ مانگتی ہے۔

الجھنوں سے نجات کا طریقہ

خالق اکبر نے ہمیں بڑی طاقتور قوتیں اور صلاحیتیں بخشی ہیں اگر ہمیں ان کا احساس ہو جائے اور ہم ان سے کام لینے کا تہیہ کر لیں تو ان خواہشات اور الجھنوں سے نجات حاصل کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہمارے اندر ایک قوت ایسی ہے۔ جسے ہم قوتِ ارادی (WILL POWER) کہتے ہیں۔ خواہشات سے نجات حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس قوت سے کام لیا جائے۔ جونہی کوئی خراب قسم کی خواہش پیدا ہو فوراً قوتِ ارادی کو عمل میں لایا جائے۔ مثلاً راہ چلتے ہوئے اگر کسی عورت سے سامنا ہو جائے اور یہ خواہش پیدا ہو کہ اسے دیکھا جائے تو اس وقت قوتِ ارادی سے کام لے کر یہ کہنا چاہیئے۔

"یہ شیطانی کام اور سخت گناہ ہے۔ میں اس عورت کی طرف ہرگز نہیں دیکھوں گا۔ میرا اللہ مجھ کو دیکھتا ہے۔"

جب پورے جوش و خروش اور عمل و ارادہ کی طاقت کے ساتھ یہ کہا جائے گا۔ تو آنکھیں عورتیں کی طرف نہیں اٹھیں گی۔ اس طرح قوتِ ارادی کو ابھارنا۔ اس سے کام لینا اور اسے ہمیشہ بلند رکھنا خواہشات کو کچلنے کا بہترین طریقہ ہے۔

اس میں ایک خاص بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ خواہش اگر خراب ہو یعنی گناہ کی بات ہو تو اسے پیدا ہوتے ہی کچل دیا جائے۔ ورنہ اگر اسے قدم جمانے کا موقع مل گیا تو پھر اس کا کچلنا مشکل ہو جائے گا۔ اور اگر نیک خواہشات پیدا ہوں تو ان کو پورا

کرنے کے لیے حتی الامکان کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ یاد رکھیئے۔ اچھی باتوں کو سوچنا بھی نیکی ہے۔ پس اچھے خیالات اور اچھی خواہشات کی حفاظت کیجیئے اور اللہ پاک سے ان کی تکمیل کے لیے دُعا کرتے رہیئے۔ اس تگ و دو اور جدوجہد اور اس محاسبہ نفس کا فائدہ تو آخری لمحات میں محسوس ہوگا جب دنیا کے سب سہارے منہ موڑ جاتے ہیں تو یہ مجاہدہ ڈھارس بندھانے کے لیے موجود ہوتا ہے۔

○

تین شدید خواہشیں

دراصل تمام خواہشات کی بنیاد تین چیزوں پر ہوتی ہے۔
۱۔ عمدہ قسم کے کھانے ۲۔ زیادہ باتیں کرنا
۳۔ جنس مخالف کی طرف دیکھنا۔

ان کا علاج بھی آسان ہے بشرطیکہ مستقل مزاجی اور مضبوط ارادے سے اس پر عمل کیا جائے، ذیل میں ہم ترتیب وار ان کا آسان علاج پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ عمدہ قسم کے کھانے: دراصل یہ بھی حرام کمائی کی ترغیب دینے والا ایک عنصر ہے اس لیے یہ یقین مضبوط کرنے کی ضرورت ہے کہ رزق دینے والا اللہ پاک ہے۔ اس نے ہمارے نصیب میں لکھ دیا ہے اس رزق پر راضی رہنا ہمارے لیے فائدہ مند ہے اس سے ایک تو اللہ پاک کی ناشکری نہیں ہوگی اور دوسرے صبر و قناعت کی خوبیاں پیدا ہوں گی جن کی وجہ سے لذّتِ طعام والی خواہش دب جائے گی۔ اور اس طرح بہت سی پریشانیوں سے خود بخود نجات ہو جائے گی۔

۲۔ زیادہ باتیں کرنا: جس کی وجہ سے بدزبانی۔ غیبت، چغلی، بہتان تراشی جیسے کبائر سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی زبان کو سچ بولنے کا پابند کر لیا جائے یعنی جو بات کی جائے وہ سچی ہو۔ اس طرح فضول باتیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اور ان کی وجہ سے جن فتنوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے وہ بھی ختم ہو جائے نیز ان

فضول باتوں سے پیدا ہونے والی خواہشات اور الجھنیں رفتہ رفتہ غائب ہوجائیں گی۔

۳۔ نظر بازی: اس کا علاج یہ ہے کہ قوتِ ارادی سے کام لے کر جنسِ مخالف کی طرف نہ دیکھنے کی قسم کھالیں اس سے ہر قسم کی برائی کا دروازہ بند ہوجائے گا یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بس ارادہ مضبوط ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جو شخص اپنی آنکھ کی حفاظت کرتا ہے وہ نظر بازی کی لعنت سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے:

"اپنی آنکھ کی حفاظت کر،

اگر یہ درست ہے تو تیرا سارا بدن درست ہے۔"

یاد رکھیئے بری نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔ جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ اس لیے نظریں نیچی رکھیے۔ اور عورت پر نظر پڑتے ہی نگاہ نیچی کرلیجئے ورنہ حشر کے دن آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا اور آخری لمحات میں فرشتوں کی ڈراؤنی صورتیں اس قدر بدحواس کردیں گی کہ اللہ کا ذکر کرنے کا ہوش ہی نہ رہ جائے گا۔

○

نزع کی تکلیف اور دیدارِ حبیبؐ

ایک شخص نے خواب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا کہ آپؐ کی حدیث شریف سنی ہے کہ مومن کی جان اس طرح آسانی سے نکل جاتی ہے جس طرح خمیری آٹے میں سے بال۔ کیا یہ درست ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "صحیح ہے۔"

عرض کیا: قرآنِ پاک میں تو جان کنی کی سخت شدت بیان کی گئی ہے:

"کلاّ اِذا بلغت التراقی" پس حدیث شریف اور قرآن شریف میں کیونکر مطابقت ہوگی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "سورۂ یوسف کا مطالعہ کرو اس میں تمہیں جواب مل جائے گا۔"

بیدار ہو کر اس نے بار بار سورۂ یوسف کو پڑھا مگر جواب سمجھ میں نہ آیا آخر ایک درویش کی خدمت میں حاضر ہوا جو عالم بھی تھے۔ اور خواب کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا سورۂ یوسف کی اس آیت میں تمہارا جواب موجود ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

"زنانِ مصر نے جب یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا سبحان اللہ یہ بشر نہیں یہ تو فرشتہ ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مومن کامل کی روح جب قفسِ عنصری سے پرواز کرتی ہے تو جمالِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ہوتا ہے۔

وہ چہرہ نبوی ﷺ میں حسنِ خدا داد کا نظارہ کرتا ہے اور حسنِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ نزع کی تکلیف کا اسے ذرا احساس بھی نہیں ہوتا۔

قرآنِ پاک نے نزع کی حقیقی تکلیف کا بیان کیا ہے اور حدیث شریف میں اس تکلیف کے احساس کی نفی ہے اصل تکلیف کی نہیں۔ یعنی نزع کی تکلیف تو ہوگی مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال میں محو ہونے کی وجہ سے اس تکلیف کا احساس نہیں ہوگا۔

اس کو یوں سمجھئے کہ اگر محبوب ایک کوٹھڑی میں موجود ہو لیکن اندر داخل ہونے کے لیے تنگ سی کھڑکی ہو اور محبوب دعوت دے کہ اندر آجاؤ تو اس تنگ سی کھڑکی میں سے جوں توں کر کے اندر داخل ہو جانے کی خوشی میں اور قربِ یار کی مسرت میں بدن پر لگنے والی رگڑ یا خراش یا چوٹ کا احساس تک نہیں ہوتا۔

مومن اگر اپنے آخری لمحات کو جمالِ مصطفوی ﷺ میں محویت کے عالم میں گزارنا چاہتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اسے نزع کی تکلیف محسوس نہ ہوگی تو جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرے اور ان کی بے پایاں محبت کو اپنے دل میں جگہ دے، لیکن یہ سب کچھ حاصل ہوتا ہے اطاعت اور تابعداری سے۔

پس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور اس میں فرحت محسوس کرتا رہے۔

○

توبہ اور ایمان کی خوشبو

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو تاجِ خلافت پہنایا اور شیطان کو مردود قرار دے دیا تو شیطان نے عرض کی کہ اے اللہ آدمؑ میرا دشمن ہے اور میں آدمؑ کا دشمن ہوں ۔ میں تو اُمیدوں اور آرزوؤں کے جال میں اس کو پھانسنے کی کوشش کرتا رہوں گا ۔ لیکن اس کے پاس عقل ہے اور اسباب ہدایت ہیں یہ تو میری بات پہ چلنے نہیں دے گا ۔ کچھ قوت مجھے بھی دے دیجئے کہ میں اس پر غالب رہوں ۔ تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہم نے تجھے افرادی قوت کی کثرت عطا کی یعنی تیری اولاد بے حد ہوگی ۔ اس پر بھی شیطان کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اکثر اوقات اقلیت بھی اکثریت پر غالب آجاتی ہے ۔ اس لیے پھر عرض کیا کہ یا اللہ مجھے کوئی اور طاقت بھی دے دیجئے ۔

اللہ پاک نے فرمایا تجھے یہ طاقت دی جاتی ہے کہ تُو آدمؑ کے بدن میں اس طرح سرایت کر جائے گا جیسے خون رگوں میں دوڑتا ہے ۔ یہ طاقت پاکر شیطان بہت خوش ہوا کہ اب اس طاقت کے بل بوتے پر میں آدمؑ پر غالب آجاؤں گا ۔ میں اس کے اندر گھس کر قلب میں وسوسے ڈالوں گا دماغ خراب کروں گا اور اس طرح اسے سیدھی راہ سے بھٹکا سکوں گا ۔

اس منزل پر آدم علیہ السّلام کو فکر ہوئی کہ یہ طاقت تو واقعی اس کو مجھ پر غلبہ حاصل کرنے میں مدد دے گی لہذا اُنہوں نے بھی اللہ پاک سے عرض کیا :

یا اللہ مجھے بھی کوئی طاقت عطا فرمایئے کہ اس کا مقابلہ کر سکوں ۔

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمؑ کو بھی ایک طاقت ایسی دی جاتی ہے کہ شیطان کی ہزار سال کی محنت دم بھر میں برباد ہو جائے گی۔

اس کے بعد فرمایا "توبہ"، یعنی اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کر لو۔ توبہ میں اتنی طاقت ہے کہ شیطان میں اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہے۔

پس آدمی کو چاہیئے کہ توبہ کو نہ چھوڑے اگر ذرا سی لغزش ہو جائے تو توبہ کرے بلکہ استغفار کی تسبیح مستقل طور پر پڑھتا رہے۔

استغفر اللّٰہ تعالیٰ ربی من کل ذنبٍ وّا توب الیہ اگر روزانہ ایک سو بار پڑھتا رہے تو گناہوں کی تاریکی اور وحشت سے انشاء اللہ نجات مل جائے گی اور آخری لمحات میں شیطان غالب نہ آنے پائے گا۔

حدیثِ قدسی میں ہے کہ

"اے بندے اگر تو میرے پاس اتنے گناہ لے کر آئے کہ زمین اور آسمان تیرے گناہوں میں چھپ جائیں تو میں اتنی (گناہوں سے کہیں بڑھ کر) مغفرت لے کر تجھ سے ملاقات کروں گا بشرطیکہ تیرے دل میں میری عظمت موجزن ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز عظمتِ خداوندی ہے کہ اگر دل میں خوب مضبوطی سے موجود ہے تو اس کی غلطی معاف ہو سکتی ہے کیونکہ آقا کہتا ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں گا۔

اس لیے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرے۔ اس گناہ پر دلیر نہ ہو اللہ کی عظمت سے نڈر نہ ہو۔ سرکشی اور بغاوت کی جرأت نہ کرے کیونکہ اگر دل میں یہ باتیں جم گئیں تو توبہ کی توفیق نہ ہو گی بلکہ اس توفیق کو اللہ پاک سلب کر لیتے ہیں اور قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے راستے پر چلتا ہوا آدمی ٹھوکر لگنے سے گر پڑا۔ لیکن اٹھا اور کپڑے جھاڑ کر پونچھنے لگا۔ پھر گر پڑا۔ پھر چلنا شروع کر دیا۔ آخر اسی طرح گرتے پڑتے منزل تک پہنچ جائے گا۔ اگر اس نے گرتے ہی راستہ بدل لیا تو جب تک اس راستے کو چھوڑ کر سیدھی راہ پر نہ آئے گا۔ منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

جس نے اللہ کے دربار کی حاضری کے وقت کہا کہ

یا اللہ میں آپ کی رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ نہیں (یعنی کوئی عمل میرے پاس نہیں ہے)، تو وہاں سے بھی ارشاد ہو گا کہ تم نے ٹھیک بات کہی ہے۔ جاؤ میری رحمت تم پر واجب ہو گئی۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔

جب موت کا وقت آتا ہے اور ملائکہ روح کھینچنے کے لیے آتے ہیں تو مرنے والے کے ہاتھ پاؤں کو سونگھتے ہیں کہ ان میں ایمان کی خوشبو موجود ہے یا نہیں۔ اس طرح باقی اعضاء کو بھی سونگھتے ہیں کیونکہ ایمانی اعمال کرنے سے بدن میں ان کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔ جسے ملائکہ سونگھ لیتے ہیں۔ اگرچہ ہم اس خوشبو کا ادراک نہیں رکھتے نہ محسوس کرتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں۔ لیکن روزے میں بھی جب آدمی منہ بند رکھتا ہے یعنی کھانے پینے سے احتراز کرتا ہے تو اس کے منہ میں ایک قسم کی بو پیدا ہو جاتی ہے جو اللہ پاک کو سب خوشبوؤں سے زیادہ مرغوب ہے۔ یہ روزے کی خوشبو ہے اور روزے میں خوشبو ایمان سے ہے۔ اور اگر ایمان نہ ہو تو روزہ فاقہ ہے

پھر یہ خوشبو نہیں رہتی۔ اسی طرح ایمان کی بھی خوشبو ہوتی ہے اور ملائکہ انسانی بدن میں سے ایمان کی اس خوشبو کو سونگھتے ہیں کہ یہ خوشبو کس قدر اور کس درجہ کی ہے۔

کوشش کرنی چاہیئے کہ ایمان کی خوشبو ہمارے اندر بھی پیدا ہو تاکہ آخری لمحات میں اس خوشبو سے محروم نہ رہیں۔

○

آخری لمحات احادیث کی روشنی میں

ذیل میں ہم چند ایسی احادیث درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ مومن کے آخری لمحات میں اس کے ساتھ کیا ہوگا تاکہ ان سے رہنمائی حاصل کرکے ابھی سے اس کی تیاری کی جاسکے۔

(۱) ۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سب لوگوں میں بہتر کون شخص ہے آپؐ نے فرمایا "جس کی عمر زیادہ ہو۔ اور نیک عمل کرے"۔

پھر انہوں نے کہا سب لوگوں میں بدتر کون ہے آپؐ نے فرمایا "جس کی عمر زیادہ ہو اور برا کام کرے"۔

(۲) ۔ روایت ہے ابراہیم بن ابی عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے اور جنّت میں اپنا مرتبہ دیکھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے تمنّا کرتا ہے کہ مجھ کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ اللہ اکبر۔ اور لاالٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ پڑھوں۔

(۳) ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اگر کسی پر مصیبت پڑے تو موت کی تمنا ہرگز نہ کرے اور اگر مجبوری ہو تو اس طرح کہے اے اللہ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہے تو زندہ رکھ اور جب مرنا میرے حق میں بہتر ہو تو موت دے۔

(۴) ۴ ۔۔ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب ان کو دیکھنے گئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موت کی تمنا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا موت کی تمنا مت کرو اگر تم نیک ہو اور تمہاری عمر زیادہ ہو اور نیک عمل زیادہ کرو۔ تو تمہارے واسطے بہتر ہے اور اگر تم برے ہو اور عمر زیادہ ہو اور اپنے گناہ سے توبہ کرو تو یہ تمہارے واسطے بہتر ہے۔ پس موت کی تمنا مت کرو۔

(۵) ۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے ابوذر! دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور قبر اس کے امن کی جگہ ہے اور جنت اس کے رہنے کی جگہ ہے۔ اے ابوذر! دنیا کافر کی جنت ہے (یعنی کافر کو اس کے پتہ پتہ سے دل بستگی ہوتی ہے اور خزاں سے غافل ہو کر اس کی عارضی بہار پر مرمٹتا ہے) اور قبر اس کے عذاب کی جگہ ہے اور جہنم اس کے رہنے کی جگہ ہے۔

(۶) ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مومن کو (موت کے وقت) اللہ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی راحت اور خوشی کی چیز نہیں (یعنی ہر مومن کو موت کے وقت اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے جس سے موت کی سختی بالکل محسوس نہیں ہوتی اور بہت خوشی سے جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔

⑦ - حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا مومن عقل مند ہے آپؐ نے فرمایا جو موت کو زیادہ یاد کرے اور نیک عمل سے موت کے بعد کا سامان درست رکھے یہ لوگ عقل مند ہیں اور فرمایا ہوشیار وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو (احکامِ شرعیہ کا) مطیع بنا لے اور جو (اپنے نفس سے) حساب لے اور وہ کام کرے جو مرنے کے بعد اس کے کام آئے اور نادان وہ ہے جو اپنے نفس کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی آرزو کرے۔

⑧ - ایک روایت میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جہاں لوگ قہقہہ مار کر ہنستے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تم لوگ لذات کو خراب کرنے والی کا بھی ذکر کیا کرو۔ سب نے عرض کیا یا رسول اللہؐ خراب کرنے والی کون سی چیز ہے۔ آپؐ نے فرمایا "موت"
ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے ساتھ بھی کسی کا حشر ہوگا آپؐ نے فرمایا۔ ہاں اس شخص کا جو روزانہ موت کو بیس مرتبہ یاد کرے۔

⑨ - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص مرنے کے بعد افسوس کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس بات کا افسوس کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر نیک کار ہے تو افسوس کرتا ہے کہ زیادہ نیکی کیوں نہیں کی۔ اور اگر بدکار ہے تو افسوس کرتا ہے کہ برائی سے کیوں نہ باز رہا۔

۱۰ - حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کو زیادہ یاد کیا کرو اس لیے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور

دنیا کی رغبت کم ہوتی ہے۔ اگر تم موت کو اپنی مالداری کے زمانہ میں یاد کروگے تو یہ عیش (کی سرکشی) کو نکال دے گی اور اگر تم تنگ دستی میں اس کو یاد کروگے تو یہ تم کو تمہاری موجودہ زندگی پر قانع بنا دے گی۔

(۱۱) - حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے اور وہ موت کی حالت میں تھا آپؐ نے اس سے پوچھا تیرا کیا حال ہے کہا اللہ سے اُمید رکھتا ہوں۔ اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی حالت میں جس میں دو باتیں پائی جائیں گی تو اللہ تعالیٰ اس کی اُمید پوری کرے گا اور خوف سے امان دے گا۔

(۱۲) - حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے وصال سے تین دن پہلے فرمایا تھا کہ تم میں سے جو کوئی مرے تو اس میں مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت اچھا گمان رکھے (حسنِ ظن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعمالِ صالحہ سے پیدا ہوتا ہے۔

پس ارشادِ گرامی کا حاصل یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کی اس قدر پابندی کرو کہ مرتے وقت حق تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن پیدا ہو جائے۔

بزرگ لوگ فرماتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کے بغیر اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن پیدا نہیں ہو سکتا اور اعمالِ صالحہ کے بغیر اللہ تعالیٰ سے اُمیدوں کا وابستہ رکھنا حسنِ ظن نہیں ہے)

(۱۳) - حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میت کو موت کے وقت پیشانی سے اگر پسینہ آئے اور آنکھ سے آنسو نکلے اور ناک کے سوراخ کشادہ ہوں تو یہ اللہ کی رحمت

ہے جو اس پر نازل ہوتی۔ اور اگر گلے میں آواز پلٹا کھا گئی جیسے جوان اونٹ کا گلا گھونٹنے سے آواز پیدا ہوتی ہے اور اس کا رنگ بد رنگ ہو جائے اور منہ سے جھاگ نکلے تو یہ اللہ کا عذاب ہے۔

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے وقت فرشتے ہر طرف سے بندے کو گھیرے رہتے ہیں اور اس کو جکڑے رہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو موت کی سختی سے جنگلوں اور میدانوں کی طرف بھاگتا پھرتا۔

اور ایسی ہی روایت ہے فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آدمی تو چیونٹی کے کاٹنے سے پریشان ہوتا ہے اور مرتے وقت کیوں اطمینان سے رہتا ہے فرمایا کہ ملائکہ اس کو جکڑے رہتے ہیں۔

(۱۵) عبداللہؓ بن یساف سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موت کے آثار شروع ہوئے تو ان کے لڑکے نے کہا: اباجان آپ تمنا کیا کیا کرتے تھے کہ کسی عقل مند سے اس کی موت کے وقت ملاقات ہوئی تو موت کی تکلیف اس سے پوچھتا۔ اس وقت تو آپ خود ہی ایسے عقل مند ہیں فرمائیے آپ پر کیا تکلیف گزرتی ہے کہا اے بیٹے! میری سانس ایسی تنگ ہو گئی ہے کہ گویا میں سوئی کے سوراخ سے سانس لیتا ہوں۔ اور گویا کانٹے دار شاخ میرے بدن کے اندر ڈال کر پیر سے دماغ تک کھینچتے ہیں (اور بعض روایات میں آتا ہے کہ فرمایا گویا رضوی میری گردن پر رکھا ہوا ہے)

(۱۶) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میت کے پاس تم لوگ حاضر رہو اور لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر سناؤ اور جنت کی خوشخبری سناؤ کیونکہ جو مرد اور عورت سمجھدار اور عقل مند ہیں

وہ بھی اس وقت میں گھبرا جاتے ہیں اور شیطان ان کے پاس آکر اپنی فکر میں رہتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ ملک الموت کو دیکھنا ہزار تلوار مارنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(۱۷) - روایت ہے ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کو موت کی تکلیف نہیں ہوتی مگر جس قدر چیونٹی یا چٹکی کاٹنے سے ہوتی ہے۔

(۱۸) - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والے کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ اور آپؐ نے فرمایا کہ جس کا آخری کلام لا اِلٰہ الا اللہ ہوگا وہ جنّت میں داخل ہوگا اور فرمایا آپؐ نے کہ بچہ جب بولنے لگے تو اس کو لا اِلٰہ الا اللہ سکھاؤ اور جب کوئی مرنے لگے تو لا الٰہ الا اللہ سکھاو۔

(۱۹) - حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ملک الموت کے ساتھ بہت سے فرشتے ہوتے ہیں جو میّت کی روح قبض کرنے کیوقت آتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرشتے روح کو لے جاتے ہیں اور بعض فرشتے میّت پر دُعا کرنے والوں کے ساتھ آمین کہتے ہیں اور بعض میّت کی مغفرت کی دُعا کرتے ہیں جب تک اس پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔

(۲۰) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جب آخرت کی طرف متوجّہ ہوتا ہے اور دنیا سے اٹھتا ہے تو فرشتوں کی ایک جماعت نازل ہوتی ہے ان کے چہرے آفتاب کی مثل چمکتے ہیں اور اپنے ساتھ جنّت سے کفن اور خوشبو لاتے ہیں اور میّت کے سامنے جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے بیٹھتے ہیں۔ جب روح نکلتی ہے تو جتنے فرشتے آسمان و زمین کے درمیان ہیں سب اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

(۲۱) ۔ فضالہ روایت کرتے ہیں کہ میں محمد بن واسع کے پاس گیا اس وقت یہ موت کی حالت میں تھے۔ ناگاہ کہنے لگے مبارک ہو میرے ربّ کے فرشتوں کو لاحول ولا قوۃ الّا باللہ العظیم میں نے اس وقت ایسی اچھی خوشبو پائی کہ آج تک ایسی خوشبو کبھی نہیں پائی تھی۔ اس کے بعد آسمان کی طرف دیکھا اور انتقال کر گئے۔

○

آخری لمحات میں بشارت

مومن کی خوش نصیبی کا کیا کہنا ۔ اسے تو زندگی بھر بشارتیں ملتی رہتی ہیں۔ اللہ کی مدد اور رحمت اس کے شاملِ حال ہوتی ہے اور عین اس وقت جب کہ وہ نزع کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے، اسے ربّ جلیل کی طرف سے یہ بشارت دی جاتی ہے۔

" اے نفسِ مطمئن ۔ چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے نیک انجام سے) خوش (اور اپنے ربّ کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہوجا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہوجا۔ میری جنّت میں"۔

(الفجر ۲۷ - ۳۰)

یہ نفس مطمئن کون اور کیا ہے ؟ اس کی تفسیر تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۳۳۲ کے حوالہ سے پیشِ خدمت ہے۔

(۱۰۶)

"نفسِ مطمئن سے مُراد وہ انسان ہے جس نے کسی شک وشبہ کے بغیر پُورے اطمینان اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اللہ وحدہٗ لاشریک کو اپنا رب اور انبیاء کے لائے ہوئے دینِ حق کو اپنا دین قرار دیا۔ جو عقیدہ اور جو حکم بھی اللہ اور اس کے رسولؐ سے ملا۔ اُسے سراسر حق مانا۔ جس چیز سے بھی اللہ کے دین نے منع کیا۔ اس سے بادلِ نخواستہ نہیں بلکہ اس یقین کے ساتھ رک گیا۔ کہ فی الواقع وہ بری چیز ہے۔ جس قربانی کی بھی حق پرستی کی راہ میں ضرورت پیش آئی بے دریغ اسے پیش کر دیا۔ جن مشکلات اور تکالیف اور مصائب سے بھی اس راہ میں سابقہ پیش آیا۔ انہیں پورے سکون قلب کے ساتھ برداشت کیا اور دوسرے راستوں پر چلنے والوں کو دنیا میں جو فوائد اور منافع اور لذائذ حاصل ہوتے نظر آ رہے تھے ان سے محروم رہ جانے پر اُسے کوئی حسرت لاحق نہ ہوئی بلکہ وہ اس بات پر پوری طرح مطمئن رہا۔ کہ دینِ حق کی پیروی نے اسے ان گندگیوں سے محفوظ رکھا ہے اس کیفیت کو قرآن میں دوسری جگہ شرح صدر سے تعبیر کیا گیا ہے"۔

یہ بشارت اسے موت کے وقت بھی دی جائے گی۔ قیامت کے روز بھی جب وہ دوبارہ اُٹھ کر میدانِ حشر کی طرف چلے گا۔ اس وقت بھی دی جائے گی۔ اور جب اللہ پاک کی عدالت میں پیشی کا موقع آئیگا اس وقت بھی اسے اس بشارت سے نوازا جائیگا۔ اس طرح ہر مرحلے پر اسے اطمینان دلایا جائیگا کہ وہ اللہ کی رحمت کی طرف جا رہا ہے۔ یہ بشارت مومن کے لیے قیمتی سرمایہ ہے۔ اس لیے زندگی میں کوشش کرتے رہنا چاہیئے کہ اللہ پاک کی محبت و معرفت رضا اور قُرب کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر دی جائیں اور غفلت کے لمحات کو خود پر غالب نہ آنے دیا جائے۔

○

موت کی تمنّا

حدیث شریف میں ہے کہ مرنے والے (مومن) کو جب نعمتیں ملتی ہیں اور قبولیت ہوتی ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ اے اللہ جتنے میرے عزیز اور مسلمان بھائی ہیں یہ اس وقت تک انتقال نہ کریں جب تک انہیں توبہ نصیب نہ ہو جائے۔ جب تک وہ اپنے گناہوں سے معافی نہ مانگ لیں تاکہ پاک صاف ہو کر یہاں پہنچیں جیسے تو نے مجھے پہنچا دیا۔

اس طرح ہر میّت اہلِ دنیا کے لیے دُعا کرتی ہے اور دنیا والے میّت کے لیے دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کی مغفرت فرما کر ان پر رحم فرما۔ ان کو فردوس میں بلند درجات عطا فرما۔

ادھر زندہ لوگ بھی ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں اس طرح ان کی دُعا کا ہدیہ ہم تک پہنچ جاتا ہے اور ہمارے ثواب کا ہدیہ ان تک پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ میّت پر زیادہ رونے کی ضرورت نہیں کیونکہ رونا تو وہاں مناسب ہے۔ جہاں یہ جُدائی ہمیشہ کے لیے ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جدائی چند دن کی ہے پھر ہم بھی وہاں ہی پہنچ جائیں گے جہاں وہ پہنچے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان ازلی تو نہیں مگر ابدی ضرور ہے

کہ پیدا ہو گیا تو اب مٹنے والا نہیں۔ ابد الآباد تک وہ زندہ رہے گا۔ کیونکہ تبدیلی صرف جگہ کی ہو گی۔ یعنی جگہیں بدلتی رہیں گی کبھی ماں کا پیٹ۔ کبھی دنیا کا پیٹ کبھی قبر کا پیٹ (یعنی عالم برزخ) کبھی حشر کا میدان اور پھر جنّت یا دوزخ۔ اس طرح مکان اور جہان تو بدلتے رہیں گے مگر انسان باقی رہے گا۔

اس لیے کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ یہ تبادلہ اچھی جگہ میں ہو اور بُری جگہ سے پناہ ملتی رہے۔ مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہماری کوشش کا رخ صرف اللہ پاک کی رضا اور خوشنودی کی طرف ہو۔ اس میں خلوص ہو اور اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

کافر تمنّا کرتا ہے کہ اس کی زندگی بڑھتی ہی رہے قرآنِ مجید میں بھی ارشاد ہے کہ تم ان کفّار کو دیکھو گے کہ سب سے زیادہ حریص ہیں دنیا کی زندگی پر۔ انہیں تو موت کے نام سے ہی موت آتی ہے اور مشرکین کو اگر اللہ پاک ہزار برس کی عمر بھی دے دیں تو وہ یہی تمنّا کریں گے کہ ایک ہزار سال اور بڑھ جائے۔ لیکن اس کے برعکس مومن اللہ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے اس لیے زیادہ لمبی عمر سے اُکتا جاتا ہے۔

موت کی تمنّا کرنا دراصل بیداری اور اللہ سے محبت کی نشانی ہے اور یہی مقصودِ حیات ہے اور اسی سے آخری لمحات خوشگوار اور قابلِ رشک بن جاتے ہیں۔

موت کی تمنّا کرنا ولایت کی نشانی ہے۔ لیکن اگر موت کی تمنّا کسی تکلیف، بیماری پریشانی یا خوف کی وجہ سے کی جائے تو یہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ اللہ پر بے اعتمادی کی علامت ہے اور بندگی و عبودیت کے خلاف ہے اور اگر اللہ سے ملاقات کے شوق میں تمنّا کرے گا تو یہ ولایت کی علامت ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی ہے۔

"اے اللہ ہر شخص کے دل میں موت کی محبت ڈال دے جو میرے نبی

ہونے کا قائل ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ جب ان پر موت کی کیفیت طاری ہوئی تو لوگوں نے جا کر تسلی دی کہ حضرت فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ صحت و تندرستی ہوگی۔ مولانا کو لوگوں کی یہ باتیں سن کر غصہ آگیا اور فرمایا:

"عمر بھر اس وقت کی تمنا میں تھے اور تم اس کو ہٹانے آئے ہو۔ خدا خدا کر کے وقت آیا کہ موت قریب آئی اور تم موت سے تسلی دیتے ہو کہ اور زندہ رہوں۔ خبردار اس کے بعد یہ جملہ نہ کہنا دعا کرو کہ حسنِ خاتمہ ہو جائے۔ تسلیاں مت دو کہ میری عمر زیادہ ہو۔ عمر بھر میں اس وقت کی تمنا میں تھا وقت آیا تو تم ہٹانے آگئے ہو۔"

منافقین کے آخری لمحات

منافق وہ ہے جو منہ سے تو ایمان اور اسلام کا اقرار کرتا ہے لیکن اس کا دل اس کی زبان کا ساتھ نہیں دیتا۔ بلکہ اس اقرار کے خلاف سوچتا اور دھڑکتا ہے۔ منافقینِ مدینہ سے سب لوگ واقف ہیں اور ان کے انجام کو بھی ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے اللہ پاک نے منع فرما دیا تھا۔

منافقین کا گروہ صرف مدینہ شریف میں ہی موجود نہ تھا اور نہ وہ ماضی میں ہی پائے جاتے تھے بلکہ ہر زمانے اور ہر جگہ منافقین کی ٹولیاں موجود رہی ہیں خود ہمارے وطنِ عزیز میں اور ہمارے گرد و پیش میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں

ہے بلکہ معاشرہ کے دباؤ کے تحت تو ہر شخص کو یہ خطرہ لاحق ہو سکتا ہے کہ اس کا دل اندر سے باغی نہ ہو جائے اس لیے ہمیں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے تا کہ نفاق کا رنگ پیدا نہ ہونے پائے منافقین کے آخری لمحات کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد اس سے پھر گئے ان کے لیے شیطان نے اس روش کو سہل بنا دیا، اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کے لیے دراز کر رکھا ہے

اس لئے انہوں نے اللہ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں سے کہہ دیا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری مانیں گے

اللہ ان کی خفیہ باتیں خوب جانتا ہے۔

پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں لے جائیں گے۔

یہ اسی لئے تو ہو گا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرنا پسند نہ کیا۔

اسی بنا پر اس نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیئے۔"

(محمدؐ ۲۵ - ۲۸)

یہ آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ دنیا میں تو یہ لوگ ایمان کا اقرار بھی کرتے رہے اور اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے جدوجہد میں بھی مصروف رہے اس طرح اندر ہی اندر دشمنانِ اسلام سے ساز باز کرتے رہے۔ اور ان سے وعدے کرتے رہے کہ بعض معاملات میں ہم تمہارا ساتھ دیں گے لیکن مرنے کے بعد یہ خدا کی گرفت سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ اس وقت ان کی کوئی تدبیر انہیں فرشتوں کی مار سے نہ

بچا سکے گی ۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو سچا ایمان عطا فرمائیں ۔

○

نزولِ ملائکہ

فرشتے تین وقتوں میں آدمی کے پاس آتے ہیں ۔

اوّل : مرتے وقت ۔ چنانچہ جب مومن مرتا ہے ۔ تو رحمت کے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں :

" اے نفسِ مطمئن ۔ چل اپنے ربّ کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے نیک انجام سے) خوش (اور اپنے ربّ کے نزدیک) پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں

اور داخل ہو جا میری جنّت میں " (الفجر ۲۷ – ۳۰

اس وقت مومن اللہ کی زیارت کا مشتاق ہو جاتا ہے اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مومن کو بھی مرتے وقت تکلیف ہوتی ہے اور یہ خوشی کے ساتھ جانے کی علامت نہیں سمجھ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزع کی تکلیف مومن کے جسم پر تو ہوتی ہے مگر رُوح کو لذت حاصل ہوتی ہے ۔ جس کی ہمیں خبر نہیں ہوتی ۔ کیونکہ رُوح دکھائی نہیں دیتی ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی معشوق عاشق کو بغل میں لے کر ایسا زور سے دبائے کہ اس کی آنکھیں نکل آئیں اس سے جسم کو تو بے شک تکلیف ہو گی مگر دل سے وہ اس حال میں بہت خوش ہو گا بلکہ اگر معشوق کہے کہ تم کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اس

لئے چھوڑ دیتا ہوں اور تمہیں چھوڑ کر رقیب کو دباتا ہوں تو عاشق کہے گا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

پس نزع کی تکلیف اس کے گناہگار ہونے کی علامت نہیں ہے۔

فرشتے دوسری بار آدمی کے پاس اس وقت آتے ہیں جب مرنے کے بعد اسے قبر میں رکھ کر لوگ چلے جاتے ہیں اور وہ مردہ سے پوچھتے ہیں تیرا پروردگار کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور یہ شخص کون ہے؟ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) مومن تو ٹھیک جواب دے گا اور فرشتے اس کو نیک انجام کی بشارت دیں گے۔

تیسری بار فرشتے اس وقت آتے ہیں جب حشر کا دن ہوگا اور قبر سے مومن کا استقبال کر کے اسے نیک انجام کی بشارتیں سنائیں گے۔ اور اسی طرح عزت واکرام سے اسے میدانِ حشر میں لے جائیں گے۔ یوں حشر کی پریشانیاں اور خوف وہراس مومن پر آسان ہوجائیں گی۔

بعض ایسے فرشتے بھی ہیں جو کسی وقت بھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتے مگر ان کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

دنیا میں فرشتوں کی رفاقت دو طرح کی ہوتی ہے۔

ایک تو وہ اعمالِ صالحہ انسان کے دل پر القا کرتے رہتے ہیں دوسرے مصیبتوں کے وقت سکون اور اطمینان نازل کرتے ہیں۔

ایک تیسری رفاقت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

"ہر شخص کے لئے کچھ فرشتے ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے کچھ اس کے آگے اور کچھ اس کے پیچھے خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں

اور جب اللہ تعالیٰ اس قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کر لیتے ہیں تو پھر اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔''

یعنی جب اللہ تعالیٰ ہی کوئی مصیبت ڈالنا چاہیں تو وہ کسی طرح سے بھی نہیں ٹل سکتی۔ اس وقت حفاظت کی صورت بدل دی جاتی ہے۔

حشر میں جب مومنین جنّت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرشتے ہر دروازہ سے ان کے پاس سلام کرنے اور مبارک باد دینے کے لئے آئیں گے اور کہیں گے۔

"تمہارے لیے اس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے موجود ہے نیز تمہارے لیے جو مانگو گے موجود ہے۔"

یہ حدیث مبارکہ کا ایک ٹکڑا ہے پوری حدیث کا مفہوم مندرجہ ذیل ہے۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو چاہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہیگا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن کر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر ایک موت کو ناپسند کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ۔ یہ اس وقت نہیں موت کے وقت ہوتا ہے یعنی بندہ اس وقت خوش ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے تسلّی دی جاتی ہے کیونکہ ارشادِ الہٰی ہے کہ:

"بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان پر موت کے وقت فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ڈرو مت اور غمگین مت ہو۔ اور خوشخبری پاؤ اس جنّت کی جس کے تم سے وعدے کئے گئے ہیں۔

ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے وہی کچھ ہے جو تمہارا جی چاہے اور جو تم مانگو۔''

○

ملائکہ مومنین کو دعائیں اور بشارتیں دیتے ہیں

قرآن مجید میں ارشاد ہے :-

" اے لوگوں جو ایمان لاتے ہو

اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو،

وہی ہے جو تم پر رحمت فرماتا ہے

اور اس کے ملائکہ تمہارے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے۔

وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے

جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا استقبال سلام سے ہوگا اور اللہ نے

ان کے لئے بڑا باعزت اجر فراہم کر رکھا ہے۔"

" مومنین کا استقبال سلام سے ہوگا" اس کے تین مطلب ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خود السلام علیکم کے ساتھ ان کا استقبال فرمائے گا جیسا کہ سورۂ یسین آیت نمبر ۵۸ میں ہے۔ سلامٌ قولاً من ربٍ رحیم"، دوسرے یہ کہ ملائکہ ان کو سلام کریں گے، جیسا کہ سورۂ نحل کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد ہے۔

ترجمہ " جن لوگوں کی روحیں ملائکہ اس حالت میں قبض کریں گے کہ وہ

پاکیزہ لوگ تھے۔ ان سے وہ کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر داخل ہو جاؤ جنت میں اپنے ان نیک اعمال کی بدولت جو تم دنیا میں کرتے تھے۔"

تیسرے یہ کہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ جیسا کہ سورۂ یونس کی آیت نمبر ۱۰ میں ہے:

ترجمہ: "وہاں ان کی صدا یہ ہوگی کہ خدایا پاک ہے تیری ذات ان کا تحیۃ ہوگا سلام۔ اور ان کی تان ٹوٹے گی اس بات پر کہ ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۰۵)

قرآن مجید نے اس ضمن میں ایک قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے:

"پھر وہ مرنے والا اگر مقربین میں سے ہو تو اس کے لئے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے۔

اور اگر وہ اصحاب یمین میں سے ہو تو اس کا استقبال یوں ہوتا ہے کہ سلام ہے تجھے تو اصحاب الیمین میں سے ہے۔

اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہ لوگوں میں سے ہو تو اس کی تواضع کے لیے کھولتا ہوا پانی ہے۔ اور جہنم کا جھونکا جانا۔"

(الواقعہ ۹۰ - ۹۱)

گزشتہ تمام صفحات کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ جب انسانی زندگی کے ختم ہونے کا وقت آجاتا ہے۔ تو اللہ پاک کا ایک خاص فرشتہ آکر باقاعدہ رُوح کو ٹھیک اسی طریقے سے وصول کرتا ہے۔ جس طرح ایک سرکاری امین کسی چیز کو اپنے قبضے میں لیتا ہے قرآن پاک کے کئی مقامات پر اس کی تفصیلات موجود

پس ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس افسر موت کے ماتحت فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے جو موت وارد کرنے اور رُوح کو جسم سے نکالنے اور اس کو قبضے میں لینے کی بہت سی مختلف النوع خدمات انجام دیتا ہے نیز یہ کہ اس عملے کا برتاؤ مجرم روح کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے اور مومن صالح روح کے ساتھ کچھ اور۔

موت کے وقت شیطان مومن کو بہکاتا ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو مسلمان قریب المرگ ہوں۔ ان کے پاس رہو۔ اور ان کو کلمہ لاالہ الااللہ کی تلقین کرو اور ان کو جنّت کی بشارت دو۔ کیونکہ اس وقت میں بڑے بڑے عقل مند مرد و عورت حیران رہ جاتے ہیں اور شیطان اس وقت انسان کے ساتھ سب اوقات سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اپنے قریب المرگ لوگوں کے پاس رہو اور ان کو اللہ کا نام یاد دلاؤ اس لیے کہ وہ ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو تم نہیں دیکھتے۔

امام شعرانی رحؒ نے اپنی کتاب مختصر تذکرہ قرطبی میں تحریر فرمایا ہے۔

بعض روایات کے مطابق جب انسان نزع کے عالم میں ہوتا ہے تو دو شیطان اس کے دائیں اور بائیں آکر بیٹھے ہیں دائیں جانب والا اس کے باپ کی شکل میں آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ بیٹا میں تجھ پر مہربان و شفیق ہوں میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تو نصاریٰ کا مذہب اختیار کر کے مرنا۔ کیونکہ وہی بہترین مذہب ہے

اور بائیں جانب والا شیطان میت کی ماں کی شکل میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ بیٹا میں نے تجھے اپنے پیٹ میں رکھا دودھ پلایا۔ گود میں پالا۔ میں تجھے نصیحت کرتی ہوں کہ یہود کا مذہب اختیار کر کے مرنا کیونکہ وہی بہترین مذہب ہے۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب "الدرۃ الفاخرہ فی کشف علوم الآخرہ" میں لکھتے ہیں کہ:
انسان نزع کی ایسی شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے عقلاء اور حکماء کی عقلیں اس وقت بیکار ہو جاتی ہیں تو انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان اپنے ساتھیوں کو لے کر اس کے پاس پہنچتا ہے اور یہ سب ان لوگوں کی شکلوں میں آتے ہیں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس کے خیر خواہ اور دوست احباب تھے۔ اور صالح اور متقی سمجھے جاتے تھے۔ پھر اس سے کہتے ہیں کہ ہم تجھ سے پہلے موت کی اس گھاٹی سے گزر چکے ہیں اس لیے اس کے نشیب و فراز سے واقف ہیں اب تیری باری ہے ہم تجھے خیر خواہانہ مشورہ دیتے ہیں کہ تو یہود کا مذہب اختیار کرے کیونکہ وہی سب سے اچھا مذہب ہے۔

لیکن مومن جس پر اپنے رب کی رحمت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی تائید سے ثابت قدم رہتا ہے اور رحمت خداوندی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آتی ہے اور شیاطین کو دفع کر دیتی ہے۔ اور مومن خوش ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

امام ابو جعفر قرطبی کا نزع کا وقت آیا تو حاضرین نے کہا لا الٰہ الا اللہ پڑھیے۔ وہ ان کے جواب میں کہتے تھے لا (نہیں) کچھ دیر بعد ان کو افاقہ ہوا۔ آنکھ کھولی۔ تو لوگوں نے عرض کیا کہ کلمہ طیبہ کی تلقین میں آپ لا (نہیں) کہہ رہے تھے یہ کیا ماجرا ہے آپ نے فرمایا میں تمہارے جواب میں یہ کلمہ لا نہیں کہہ رہا تھا بلکہ دو شیطان میرے

سامنے کھڑے تھے ایک یہ کہہ رہا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب پر مرنا اور دوسرا کہتا تھا کہ یہود کے مذہب پر مرنا۔ میں ان کے جواب میں کہتا تھا۔ لا۔ لا (نہیں۔ نہیں) اور ان سے کہتا تھا کہ کیا تم مجھے اس وقت یہ سبق پڑھاتے ہو۔ حالانکہ میں نے خود اپنے قلم سے کتاب ترمذی و نسائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث لکھی۔

"شیطان تم میں سے بعض کے پاس اس کی موت سے پہلے آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہودی ہو کر مرو یا نصاریٰ ہو کر مرو۔"

مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر مومن جب مرتا ہے تو اس کے ہم نشین و ہم مجلس لوگ اس کے سامنے کئے جاتے ہیں اگر وہ لہو و لعب والوں میں سے تھا تو اہلِ لہو و لعب اور اگر اہلِ ذکر میں سے تھا تو اہلِ ذکر

اس لئے انسان کو چاہیئے کہ غافل اور لہو و لعب میں منہمک لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رح کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب امام صاحب کی وفات کا وقت آیا میں آپ کا جبڑا باندھنے کے لئے ہاتھ میں کپڑا لئے ہوئے تھا۔ آپ کا یہ حال تھا کہ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اور پھر ہوش میں آجاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ لابعدُ۔ لا بعدُ جب کئی مرتبہ یہ قصہ دیکھا تو میں نے دریافت کیا کہ ابا جان آپ یہ کیا فرما رہے ہیں فرمایا کہ شیطان میرے سامنے کھڑے اور دانتوں میں انگلیاں دیتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ افسوس اے احمد تم ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گئے میں اس کے جواب میں کہتا ہوں لا بعدُ یعنی ابھی نہیں چھوٹا۔ جب تک موت نہ آجاوے (کیونکہ جب تک سانس باقی ہے میں تیرے مکر سے غافل و بے پرواہ نہیں) شیطان کی غرض یہی تھی کہ اس وقت ان کو بے خوف کر کے کوئی حملہ کر دے۔ حضرت امام نے اس مکر کو سمجھ لیا اور یہ جواب دیا۔

سبحان اللہ۔ اللہ والوں کی کیا بات ہے۔

موت کے وقت شیطان ہر کسی پر ڈورے ڈالتا ہے اور اسے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے زندگی بھر اللہ پاک سے ایمان کی سلامتی کی دعا کرتے رہنا چاہیئے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

ترجمہ: اے ہمارے ربّ ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کیجیو۔ اپنی رحمت ہمارے شاملِ حال رکھیو آپ تو سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

اللہ کی رحمت سے مومن شیطانی مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے لیکن جس شخص کے ایمان میں نقص یا کمزوری ہو اس پر شیطان کا وار عموماً کامیاب رہتا ہے۔

حدیث شریف کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب فرشتے مومن کو "اے نفسِ مطمئنہ۔ نکل اپنے ربّ کی طرف" والی خوشخبری سناتے ہیں اور اس کے ساتھ اسکی روح بدن سے اسطرح نکل آتی ہے جیسے مشک الٹی کر کے لٹکا دی جائے اور اس کا منہ کھول دیا جائے تو پانی قطرہ قطرہ گرنے کی بجائے فوراً باہر بہہ جائیگا۔ اس طرح شدّتِ شوق میں مومن کو نزع کی کسی تکلیف کا پورا احساس نہیں ہوتا لیکن کے برخلاف کافر کی روح بدن کے ایک ایک روئیں کی پناہ لیتی ہے اور باہر نکلنا پسند نہیں کرتی۔ بلکہ اسے زبردستی کھینچا جاتا ہے، اور وہ بدن سے اس طرح نکالی جاتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹے دار تار پیوست کر کے اسے کھینچا جاتا جائے کہ روئی کے ریشے بھی اس کے ساتھ ہی کھنچ آئیں۔

حدیث نبوی ؐ میں ہے کہ روح جب نزع کے وقت تمام بدن سے کھینچتی ہے تو

مومن کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے بعض لوگ عین نزع کے وقت با ہوش اور بشاش نظر آتے ہیں البتہ جب حلقوم میں آتی ہے تو احساس ہوتا ہے اور وہ بھی تحیر (حیرانگی) کے ساتھ کہ یہ کہاں جا رہی ہے یا میں کہاں جا رہا ہوں اور اسی لئے اس کے نکلتے وقت نگاہ اوپر ہی کی طرف اٹھی رہ جاتی ہے۔ اور آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ گویا حیرانی کے عالم میں آنکھیں روح کو بدن سے نکلتے ہوئے دیکھتی ہیں اور رُوح کے اوپر کی طرف پرواز کرنے کو دیکھتے ہوئے نکلی رہ جاتی ہیں۔ اسی لئے شریعت نے موت کے بعد آنکھیں بند کر دینے کا حکم دیا ہے جب روح حلقوم میں پہنچتی ہے تو ملک الموت آتے ہیں اور اس کی طرف بیٹھ کر روح کو نہایت شفقت سے خطاب کرتے ہیں کہ اب اپنے ربّ کی رحمت کی طرف چل۔

یہی آخری سانس کا وقت مومن کے لئے قدرے احساس کا ہوتا ہے اسے قبض روح کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں مومن کی موت دے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری لمحات

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس دن وفات ہوئی بظاہر طبیعت کو سکون تھا حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا آپؐ نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں (یعنی مسجد میں) فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں (حضرت ابو بکرؓ نے جو امام تھے۔ چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں) آپؐ نے اشارے سے روکا اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیے۔

(صحیح مسلم میں ہے کہ ضعف اس قدر تھا کہ آپؐ پردہ بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے) یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہؓ نے جمالِ اقدس کی زیارت کی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ چہرہ پر معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے یعنی سپید ہو گیا تھا۔

دوشنبہ کا دن جیسے جیسے چڑھتا گیا آپؐ کی تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔ بلکہ پے در پے غشی کے دورے بھی پڑنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں ان کی رفتار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفتار سے مشابہ تھی۔ آپؐ نے فرمایا بیٹی مرحبا۔ انہیں دائیں یا بائیں طرف بٹھایا پھر کان

میں چپکے سے کوئی بات کہی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں پھر کوئی بات چپکے چپکے کان میں کہی اور وہ ہنس پڑیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا پہلے خبر دی گئی تھی کہ میں خیال کرتا ہوں اس مرض میں میری وفات ہو گی یہ سنتے ہی مجھے بے اختیار رونا آگیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تو مجھے ملے گی۔ ساتھ ہی بشارت دی کہ مریم بنت عمران کے بعد اہلِ جنّت کی عورتوں کی سردار ہوں گی یہ سن کر میں خوشی کے مارے ہنس پڑی۔

ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سینہ مبارک سے لپٹ کر رونے لگیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی رو نہیں میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو اِنّا للّٰہِ واِنّا الیہِ راجعُون (ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں) کہنا یہی ہر فرد کے لئے ذریعہ تسکین ہے۔ پوچھا آپؐ کے لیے بھی؟ فرمایا ہاں۔ اس میں میری بھی تسکین مضمر ہے۔

جب طبیعت زیادہ بگڑی تو آپؐ نے پانی سے بھرا پیالہ پاس رکھوالیا۔ اس میں ہاتھ ڈالتے اور تر ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے۔ زبان مبارک پر آہستہ آہستہ یہ الفاظ جاری تھے: لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور موت تکلیف کے ساتھ ہے۔)

ایک اور روایت کے مطابق فرمایا: اللھم اعنّی علی کرب الموت (اے اللہ موت کی تکلیف میں میری مدد فرما۔)

پانی میں ہاتھ تر کر کے پھیرنے کے علاوہ کبھی ایک پاؤں پھیلاتے پھر اسے اکٹھا کر کے دوسرا پاؤں پھیلا دیتے۔ اسی طرح کبھی چادر چہرۂ مبارک پر ڈال لیتے

پھر اتار دیتے ۔ یہ تکلیف میں شدت کی علامتیں تھیں ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ دیکھتے ہی حزن و ملال سے پکار اٹھیں ۔

واکرب ابا ہ (ہائے میرے باپ کی بے چینی)

آپؐ نے فرمایا : آج کے بعد تیرا باپ بے چین نہ ہوگا ۔

وفات سے کچھ دیر پہلے عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزاج پرسی کیلئے آئے ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرق مبارک کے لئے سہارا بنی ہوئی تھیں ۔ آپؓ فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں مسواک پر جمی ہوئی تھیں میں نے سمجھ لیا کہ آپؐ کو مسواک کی خواہش ہے چنانچہ مسواک کا سرا چبا کر کچل کر نرم کردیا اور مسواک آپؐ کو دے دی ۔ پھر جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرتے دیکھا تھا اس سے زیادہ اچھی طرح مسواک کی ۔ آپؐ اسے لئے لیٹے رہے تا آنکہ وہ آپؐ کے ہاتھ سے گر گئی ۔ یا آپ کا ہاتھ گر گیا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دنیا کی آخری ساعت اور آخرت کے پہلے دن میں بھی اللہ نے میرا اور آپؐ کا لعاب دہن جمع کر دیا ۔

آخری وقت

سہ پہر کو سینہ مبارک میں سانس کی گھڑ گھڑاہٹ محسوس ہونے لگی اس اثناء میں لب مبارک کو جنبش ہوئی اور یہ الفاظ سنے گئے ۔

الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم (نماز ۔ نماز اور تمہارے لونڈی غلام)

پھر انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا اور تین مرتبہ کہا :

بل الرفیق الاعلیٰ (بس اب اور کوئی نہیں صرف رفیقِ اعلیٰ

درکار ہے)

تیسری مرتبہ یہ الفاظ ادا ہوئے تو ہاتھ لٹک آئے۔ آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ربیع الاوّل ۱۱ھ کی پہلی تاریخ (اور بعض روایات کے مطابق ۱۲ تاریخ) تھی۔ دوشنبہ کا دن اور سہ پہر کا وقت تھا۔ عمر مبارک تریسٹھ ۶۳ سال سے آٹھ یوم کم تھی۔

(بحوالہ رسولِ رحمت)

○

خلفائے راشدینؓ کے آخری لمحات

حضرت ابوبکر صدیقؓ

اپنی موت سے پہلے اللہ پاک کے فضل و کرم سے آپؓ فتنۂ ارتداد کا مکمل استحصال کر چکے تھے۔ جو آپؓ کے عزم و استقلال کی لازوال داستان ہے۔

آپؓ کی بیماری کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ سخت سردیوں میں آپؓ نے ٹھنڈے پانی سے نہا لیا جس کی وجہ سے آپ کو شدید بخار ہو گیا اور پندرہ دن تک اس بخار میں مبتلا رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ اپنی بیماری کے دوران انہوں نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ نمازیں پڑھایا کریں۔

مرض کی شدت میں بھی آپ کو امورِ سلطنت میں غور و فکر نے بے چین رکھا مرض کی ابتداء میں ہی انہیں یقین ہو چکا تھا کہ ان کی وفات اب قریب آ چکی ہے اور وہ بہت جلد اپنے محبوب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والے ہیں لیکن انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ اللہ پاک نے جو کام ان کے سپرد کر رکھا تھا (اسلامی مملکت کی سربراہی اور اشاعتِ اسلام) انہوں نے اس کی انجام دہی میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کیا تھا۔ ایک روز لوگوں نے جب کہا کہ طبیب کو بلا کر اس سے مرض کے متعلق مشورہ کر لیں تو آپؓ نے فرمایا "میں نے مشورہ کر لیا ہے۔"

لوگوں نے پوچھا پھر اس نے کیا بتایا۔ تو آپؓ نے فرمایا "اس نے کہا ہے کہ میں جو چاہوں گا کروں گا۔"

اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کی مرضی پر راضی ہیں اور ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اللہ انہیں اپنے پاس بُلالے۔

مرض الموت میں آپؓ کو سب سے زیادہ فکر جانشین کا تھا تاکہ بعد میں کوئی فتنہ رونما نہ ہونے پائے۔ چنانچہ آپؓ نے بڑے غور و خوض کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ اور اپنا جانشین مقرر کیا اور اس سلسلہ میں اہل الرائے اصحابؓ سے مشورہ بھی کیا پھر اس بات کی وصیّت لکھوادی۔ اور مسجد میں اس کا اعلان کر دیا۔ لوگوں نے سُن کر کہا ہم آپؓ کے انتخاب پر راضی ہیں اور آپؓ سے عہد کرتے ہیں کہ ہر حال میں عمرؓ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔

اس کے بعد آپؓ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلا کر انہیں نصیحتیں اور وصیتیں کیں جن کا مطالعہ تاریخ کی کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔

اس مرض کے دوران انہوں نے اپنا محاسبہ بھی کیا اور خلافت کے دوران جو رقم بطور وظیفہ انہیں ملتی رہی تھی اس کا حساب کرکے اپنے عزیزوں سے کہا کہ میری فلاں زمین فروخت کرکے اس کی رقم سے وظیفہ کی تمام رقم بیت المال کو واپس کر دی جائے۔

چنانچہ ان کی وفات کے بعد جب وظیفہ کی یہ رقم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ ثانی کے حوالے کی گئی تاکہ اسے بیت المال میں جمع کر دیا جائے تو انہوں نے فرمایا:

"اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ چاہتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد کسی بھی شخص کو ان پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آئے۔"

ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس ایک بھی دینار یا درہم نہ تھا۔ انہوں نے ترکے میں ایک غلام۔ ایک اونٹ اور ایک مخملی چادر چھوڑی جس کی قیمت پانچ درہم تھی انہوں نے وصیت کی تھی کہ وفات کے بعد ان چیزوں کو عمرؓ کے پاس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ وصیت کے مطابق جب یہ چیزیں عمرؓ کے پاس پہنچیں تو وہ رو پڑے اور فرمایا:

"ابو بکرؓ نے اپنے جانشین پر بہت سخت بوجھ ڈال دیا ہے۔"

اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق بھی وصیت کی تھی اور مختلف روایات میں اس کا ذکر ہے۔ ان کی ہدایت تھی کہ انہیں ان دو کپڑوں میں کفن دیا جائے جو وہ بالعموم پہنا کرتے تھے۔ غسل اسماء بنت عمیس دیں جو ان کی اہلیہ تھیں اور اگر وہ اکیلی یہ کام نہ کر سکیں تو اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو بھی ساتھ ملا لیں۔

وہ ابھی اس قسم کی وصیتیں کرنے میں مشغول تھے کہ عراق سے مثنیٰ مدینہ میں آ پہنچے اور باریابی کی اجازت چاہی آپؓ نے باوجود سخت نقاہت کے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ مثنیٰ نے عراق کی صورتِ حالات بتا کر کہا کہ انہیں کمک پہنچائی جائے تاکہ وہ حالات کو سدھار سکیں۔ آپؓ نے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ شام ہونے سے پہلے پہلے مثنیٰ کی مدد کے لیے فوج روانہ کر دی جائے اور میری وفات تمہیں ایسا کرنے سے روکنے نہ پائے۔

نزع کے وقت ان کی پیاری بیٹی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے باپ کی یہ حالت دیکھ کر ماتم کا یہ شعر پڑھا۔

(ترجمہ) جب نزع کی حالت طاری ہوتی ہے اور سینہ سانس نہ آنے کی وجہ سے گھٹنے لگتا ہے تو دولت انسان کے کام نہیں آتی۔

یہ شعر سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے غصے سے اپنی

بیٹی کی طرف دیکھا اور فرمایا:

بیٹی! اس کی بجائے یہ آیت پڑھ۔

وجاءت سکرة الموت بالحق ذالك ما كنت منه تحيد۔

(ترجمہ) نزع کی حالت طاری ہوگئی ہے اور یہ وہ وقت ہے جس سے تو خوف کھایا کرتا تھا۔

اس کے بعد آپؓ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے سرہانے بیٹھ کر یہ شعر پڑھا۔

(ترجمہ) ہر جانے والے کی واپسی کے لیے اُمید کی جاسکتی ہے مگر اس شخص کی واپسی ناممکن ہے جسے موت ساتھ لے جائے۔

آخری بات جو ان کے مُنہ سے نکلی وہ یہ تھی۔

"اے میرے پروردگار مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مرنے کے بعد مجھے صالحین کے پاس جگہ دینا"۔

آپؓ کی وفات ۲۱ جمادی الآخر ۱۳ھ (مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء) بروز پیر سورج غروب ہونے کے بعد ہوئی اور اسی رات انہیں دفن کر دیا گیا۔

وفات کے وقت ان کی عمر ترسیٹھ سال تھی۔ وصیّت کے مطابق انہیں غسل ان کی بیوی اسماءؓ بنت عمیس نے دیا اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ نے ان کے جسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ان کی میّت کو اسی چارپائی پر رکھ کر مسجد نبویؐ میں لے گئے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جسدِ اطہر قبر میں اتارا گیا تھا۔

مسجدِ نبویؐ میں ان کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اور منبر کے درمیان رکھا گیا۔ نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے پڑھائی اس کے

بعد جنازہ حجرۂ عائشہ رضؓ میں لے گئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ان کے لیے قبر تیار کی گئی تھی۔

انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح دفن کیا گیا کہ ان کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کندھوں کے متوازی تھا۔ زندگی بھر دونوں ساتھ رہے تھے۔ آقاؐ اور خادم رضؓ زندگی کے بعد بھی ساتھ ساتھ آرام فرما رہے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضؓ

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو آپ پر مسجد میں قاتلانہ حملہ ہوا جب آپ فجر کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو تھوڑی دیر بعد پارسی غلام ابو لو لو فیروز نے آپ پر خنجر سے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمروؒ بن میمون نے روایت ہے کہ:

"حضرت عمر رضؓ نے (زخمی ہونے کے بعد) حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کا ہاتھ پکڑا۔ اور ان کو (امامت کے لئے) آگے بڑھایا۔ جو لوگ قریب تھے وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ جو میں دیکھ رہا تھا۔ باقی رہے دُور کے لوگ۔ تو ان کو اس کی کچھ خبر نہ تھی۔ کہ کیا ہوا، صرف اتنا تھا کہ حضرت عمر رضؓ کی آواز گم پا کر لوگ چلا رہے تھے سبحان اللہ سبحان اللہ عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کو ہلکی نماز پڑھائی"۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضؓ دوسرے لوگوں کے ساتھ زخمی امیرالمؤمنین کو اٹھا کر ان کے گھر گئے جب آپ کے بچنے کی امید نہ رہی تو لوگوں نے اصرار کیا کہ منصب خلافت کے لیے کسی کو نامزد کر دیں۔ ان کے مسلسل اصرار سے مجبور ہو کر آپ نے مندرجہ ذیل چھ بزرگوں کے نام پیش کئے۔

حضرت علی رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ، حضرت زبیر رضؓ، حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اور فرمایا: ان چھ آدمیوں

آدمیوں میں سے جس کی نسبت کثرت رائے ہو اس کو خلیفۂ منتخب کر لیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آخر وقت تک خوش رہے تھے ۔

جب آپ زخمی ہو کر گرے تھے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ حملہ آور کون ہے ؟ لوگوں نے بتایا کہ ابو لولو فیروز پارسی غلام ہے ۔ تو فرمایا میں اللہ کی بارگاہ میں شکر گزار ہوں ، کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں ۔

آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا

"اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاکر درخواست کرو کہ وہ مجھے حجرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہونے کی اجازت دے دیں۔"

جناب عبداللہ جب اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ رو رہی تھیں عبداللہؓ کے جواب میں فرمایا :

"یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں"

حضرت عبداللہؓ نے واپس آکر جب یہ خوشخبری اپنے والدِ محترم کو سنائی تو انہوں نے فرمایا:

" میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے"

آپ زخم لگنے کے تیسرے دن یعنی یکم محرم ۲۴ھ بدھ کے روز شام کو اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی نمازِ جنازہ حضرت صہیبؓ رومی نے پڑھائی ۔

حضرت عثمان غنیؓ

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ باغیوں نے جو کئی دنوں سے آپ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ۔ آپ پر حملہ کر دیا آپ کو اپنی شہادت کا یقین تھا اس لئے ذکر و تسبیح اور استغفار میں رات دن مصروف رہتے تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ کی شہادت ہو گی اس لئے آپ صبر و استقامت سے اس دن کے منتظر تھے آپ نے جمعہ

کے دن کا روزہ رکھا۔ جسم کی طہارت کی۔ نئے کپڑے پہنے بیس غلام آزاد کئے اور قرآنِ مجید کھول کر اس کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

باغی دیواریں پھاند کر اندر آگئے اور آپ سے استعفٰے کا مطالبہ کیا ان کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اُمّت کی جو خدمت میرے سپرد کی ہے میں باغیوں کے دباؤ میں آگر بلا وجہ اسے نہیں چھوڑونگا۔ اور عزت کی جو قمیص پہنائی گئی ہے اس کو نہیں اتاروں گا"

اس وقت آپ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ باغیوں نے آپ کے سر پر لوہے کی سلاخ ماری اور خون کے قطرے اس آیت پر گرے۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

(اللہ ہی آپ کی مدد کے لیے کافی ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے)

غافقی نے (جو ایک باغی تھا) لات مار کر قرآن مجید کو نیچے پھینک دیا پھر سوڈان نے تلوار سے حملہ کیا آپ کی وفادار بیوی نائلہ نے اپنے شوہر کو بچانے کے لئے تلوار کا اپنے ہاتھوں سے روکا جس سے ان کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ کر دور جا پڑیں اتنے میں تیسرا شخص آگے بڑھا۔ اور اس نے تلوار سے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

آپ کو شہید کرنے کے بعد سبائیوں نے گھر کا سامان لوٹ لیا حتےٰ کہ عورتوں کے جسم سے زیورات بھی اتروالئے۔ ایک سبائی عمرو بن الحمق آپ کی لاش پر چڑھ بیٹھا اور دیوانہ وار اس پر پے در پے وار کرنے لگا۔ جب اس نے سر علٰحدہ کرنا چاہا تو عورتوں نے چلّانا شروع کر دیا اور وہ اپنا کام پورا نہ کر سکا۔ اس کے بعد باغی بیت المال کو لوٹنے کے لئے ادھر بھاگ نکلے۔ ان ظالموں نے تین دن تک آپ کو دفن کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور آپ کی لاش دوسری لاشوں کے ساتھ تین دن تک خون میں لت پت پڑی رہی آخر

ایک رات کے پہلے پہر میں حکیمؓ، زبیرؓ، ابوجہمؓ، حسنؓ، مروانؓ، جبیرؓ اپنی جانوں پر کھیل کر آپ کی میت اٹھا کر لے گئے اور باغیوں کے حملے کے خوف سے جنت البقیع کے باہر حش کوکب میں دفن کر دی۔ نمازِ جنازہ حضرت جبیرؓ نے پڑھائی اور آپ کی قبر کا نشان مٹا دیا تاکہ باغی آپ کی لاش کو نکال کر نہ لے جائیں۔

اس عظیم المرتبت خلیفۂ راشد۔ ذوالنورینؓ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے داماد کا یہ حشر جن باغیوں کے ہاتھوں سے ہوا ان پر قیامت تک اللہ کی لعنت ہو۔

حضرت سعیدؓ بن زید نے (جو حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے) کہا:

"اے لوگو! جو مظالم تم نے حضرت عثمانؓ پر کئے اگر ان کی تاب نہ لاکر کوہ احد بھی پھٹ جائے تو کچھ زیادہ نہیں"

حضرت عبداللہؓ ابن سلام نے فرمایا

"آج ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔

حضرت علیؓ

۱۶ رمضان ۴۰ھ کو آپ کا قاتل عبدالرحمن ابن ملجم جمعہ کو مسجد میں داخل ہوا فجر کی نماز ابھی شروع نہیں ہوئی تھی وہ گھات میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں حضرت علیؓ نماز پڑھانے نکلے۔ اس ظالم نے موقع پاکر آپ پر تلوار سے حملہ کر دیا یہ وار آپ کی پیشانی پر پڑا۔ خون کی دھار بہہ نکلی۔ لوگوں نے ابنِ ملجم کو پکڑ لیا۔ آپ نے اپنے فرزند حضرت حسن سے فرمایا:

"اس کی حفاظت کرو۔ اچھا کھانا دو۔ اگر میں اس زخم سے مر جاؤں تو تم اس کو قتل کر دینا۔ اور اگر میں بچ گیا تو جو مناسب ہو گا۔ خود کرونگا۔ اگر تمہیں قتل کرنا پڑے تو تلوار کے ایک ہی وار سے اسے قتل کر ڈالنا"

آپ اس روز زندہ رہے اور اگلے دن یعنی ۱۷ رمضان بروز جمعہ آپ نے وفات

پائی اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی نمازِ جنازہ آپ کے فرزند حضرت حسنؓ نے پڑھائی آپ کی وفات کے بعد حضرت حسنؓ نے اپنے والدِ محترم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے بدبخت ابنِ ملجم کو تلوار کے ایک ہی وار سے جہنّم رسید کر دیا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کو جب آپ کی شہادت کی خبر ملی تو فرمایا:

"اس نے عصائے سفر رکھ دیا۔
جدائی کے دن ختم ہو گئے
اسے وہی مسرّت حاصل ہوئی جیسے مسافر کی آنکھ اپنے گھر واپس آتے پر ٹھنڈی ہوتی ہے۔"

آپ کے آخری لمحات میں جب لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا ہم لوگ حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو آپ نے فرمایا:

"میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا
تم جو مناسب چاہو کر لینا۔"

آپ خلافت کے آخری پُرآشوب دور میں (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم) کی پیشین گوئی یاد کر کے اکثر اپنی مبارک ڈاڑھی کو پکڑ کر سر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔

"ضرور۔ ضرور۔ یہ ڈاڑھی اس سر کے خون سے رنگی جائے گی۔"

○

اُمّہات المؤمنینؓ کے آخری لمحات

حضرت خدیجہؓ

مواعظ اشرفیہ جلد اوّل صفحہ ۱۲۵ پر لکھا ہے :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت خدیجہؓ کے پاس بوقت وفات تشریف لائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم اس مرض سے جانبر نہ ہوسکوگی"

انہوں نے عرض کیا :

"میں حق تعالیٰ کے حکم کو بخوشی قبول کرتی ہوں"

اس کے بعد رحلت فرما گئیں . خاتونِ جنّت حضرت فاطمہؓ کو ۔ جو یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں بہت تعجّب ہوا کہ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان سے خاص محبت ہے پھر مرتے وقت ایسا دل شکن لفظ کیوں استعمال کیا۔ آخر بعد ان کی وفات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے انہوں نے دریافت کیا کہ اس میں کیا مصلحت تھی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"میں نے ان کا نامۂ اعمال دیکھا تو کوئی نیکی ایسی نہ تھی جو اس میں نہ ہو سوائے شہادت کے۔ اس لئے میں نے یہ تدبیر نکالی۔ کہ ان کو ایک رنج پہنچایا جائے اور وہ اس پر صبر کریں ۔اور شہادت سے محروم نہ رہیں۔"

محرم اسرار حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد صدمہ ہوا۔ کیونکہ وہ مصائب میں آپؐ کی تنہا مونس وغمخوار تھیں۔

اللہ تعالٰی آپ پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں۔

حضرت حفصہ رضؓ

آپ نے اپنے آخری وقت میں اپنے جلیل القدر بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ کو بلا کر وصیت کی کہ غابہ میں ان کی جو جائداد ہے جسے حضرت عمر رضؓ ان کی زیر نگرانی دے گئے تھے۔ اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا جائے۔

آپ نے شعبان ۴۵ھ میں وفات پائی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اور مدینہ کا گورنر مروان بن الحکم تھا اس نے نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے۔ قبر میں آپ کے بھائی عبد اللہ بن عمر رضؓ اور ان کے لڑکے عاصم سالم، عبد اللہ اور حمزہ نے اتارا۔

حضرت زینب رضؓ بنت جحش

آپ کی وفات ۲۰ھ میں حضرت عمر رضؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال تھی۔ آپ نے وفات سے پہلے کفن کا انتظام خود کر لیا تھا۔ عمرۃ بنت عبد الرحمٰن کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے زینب رضؓ کی وفات کے وقت ان کے پاس بیت المال سے پانچ تھان بھیجے کہ ان میں جو کپڑا چاہیں پسند کر لیں۔ چنانچہ آپ بیت المال کے کپڑے میں ہی کفنائی گئیں اور آپ کی ہمشیرہ حمنہ رضؓ نے اس کفن کو جو آپ نے اپنے لئے خود تیار کر کے رکھا تھا خیرات کر دیا۔

آپ نے وصیت کی تھی کہ میں نے کفن کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اور اگر حضرت عمر رضؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک صدقہ کر دینا۔ چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی۔ نماز جنازہ خود حضرت عمر رضؓ نے پڑھائی اور جب لوگوں نے پوچھا کہ ان کی قبر میں کون اترے گا تو فرمایا

وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا چنانچہ اسامہ بن زید۔ محمد بن عبداللہؓ بن جحش اور عبداللہؓ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا

آپ کی وفات پر مدینہ کے مساکین اور فقراء میں کہرام مچ گیا۔ کیونکہ ان کی دستگیری کا ایک دروازہ بند ہو گیا تھا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کی وفات پر فرمایا

"وہ نیک بخت بے مثل خاتون چلی گئیں

اور یتیموں اور رانڈوں کو بے چین کر گئیں۔"

حضرت اُمِّ حبیبہؓ

وفات کے قریب آپ نے حضرت عائشہؓ اور بعض روایات کے مطابق اُمِّ سلمہ کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان سے کہا کہ سوکنوں میں اکثر شکر رنجی ہو جایا کرتی ہے۔ ہم میں بھی اکثر ہو جاتی تھی۔ اس لئے مجھے معاف کر دیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا:

"میں نے معاف کر دیا" پھر ان کے لئے دعا کی

اس پر اُمِّ حبیبہؓ نے فرمایا

"آپ نے مجھے خوش کیا اللہ آپ کو خوش رکھے"

وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۳ تہتر سال تھی اور آپ کے بھائی حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

حضرت صفیہؓ

آپ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ آپ نے ایک لاکھ کا ترکہ چھوڑا جس میں سے ایک تہائی اپنے یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئی تھیں آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے اس کو حصہ دینے میں تامل کیا لیکن جب حضرت عائشہ رضؓ نے سنا تو فرمایا:

"اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور صفیہ رضی کی وصیت پوری کرو"

چنانچہ ان کے ارشاد کے مطابق یہ وصیت پوری کی گئی۔

آپ نے اپنا ذاتی مکان اپنی زندگی میں ہی اللہ کی راہ میں دے دیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی

۱۷ رمضان المبارک ۵۷ھ کو جبکہ آپ کی عمر تہتر ۷۳ سال تھی اور آپ کا مرض اب مرض الموت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ آپ نے کچھ وصیتیں کیں لوگوں نے جب تدفین کے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ حجرۂ مقدس میں حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک کی جانب جگہ موجود ہے کیا آپ کو وہاں دفن کر دیا جائے۔ تو آپ نے انہیں منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے دوسری امہات المؤمنین کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔

بالکل آخری وقت میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اندر آنے کی اجازت چاہی چونکہ ابنِ عباس رضی آپ کی تعریف کیا کرتے تھے اس لئے سیدہ کو اذن دینے میں تامل ہوا۔ مگر بھانجوں نے سفارش کی تو حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی کو اذنِ باریابی عطا ہوا۔ انہوں نے حاضر ہوتے ہی عرض کیا:

"آپ ہمیشہ سے اُمّ المؤمنین اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبوب بیوی تھیں۔ اپنے رفقا سے ملاقات میں اب اتنا ہی وقت باقی رہ گیا ہے کہ روح جسم سے پرواز کر جائے۔" اللہ نے احکام تیمم کی سہولت آپ کی بدولت عطا فرمائی اور آپ کی شان میں قرآنی آیات کا نزول ہوا۔ یہ آیات ہر محراب اور مسجد میں تلاوت کی جاتی ہیں۔"

اُمّ المؤمنین رضی نے یہ توصیفی کلمات سنے تو فرمایا۔

"اے ابنِ عباس رضؓ مجھے اس تعریف سے معاف رکھو مجھے پسند ہے کہ میں معدوم محض ہوتی"

چنانچہ نمازِ وتر کے بعد آپ نے اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔ مدینہ کی ہر آنکھ اشکبار ہو گئی اور سیدہ اُمِّ سلمہ رضؓ نے فرمایا۔

"عائشہ رضؓ کے لئے جنّت واجب ہے۔

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیاری بیوی تھیں"

آپ کی نمازِ جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی تھی۔

صحابہ کرامؓ کے آخری لمحات

حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے بعد سب صحابۂ کرام بزرگ ترین۔ مقدّس اور درجاتِ عالیہ پانے والی جماعت ہے اور حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی صحابۂ کرامؓ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ وہ جماعت ہے جس سے اللہ پاک راضی ہے ان کا تذکرہ باعثِ سعادت اور ان کی محبت باعثِ نجات ہے۔ ذیل میں ہم سیرت اور مغازی کی مختلف کتابوں کے حوالے سے چند بزرگوں کے آخری لمحات کا ذکر کریں گے یا اللہ پاک اُن نفوس قدسیہ کے طفیل ہمارے آخری لمحات بھی برکت وسعادت اور ایمان کی سلامتی سے بھرپور ہوں

۱۔ حضرت عمروؓ بن العاص

آپ فاتحِ مصر تھے۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے۔ بیٹوں نے کہا ابا جان آپ تو بہت بہادر آدمی ہیں کیا آپ موت سے ڈر کر روتے ہیں۔ فرمایا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں۔ کہ آگے کیا ہوگا۔ میری زندگی کے تین دور ہیں اگر میں پہلے دور میں مرجاتا تو جہنم میں جاتا کیونکہ اس وقت میں حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ پھر دوسرا دور آیا میں نے اسلام قبول کیا اور میرے دل میں آپؐ کے لئے انتہائی محبت تھی اگر میں اس دور میں مرجاتا تو یقیناً

جنّت میں جاتا۔ اس کے بعد تیسرا دور آیا اور ہماری حالت پہلے جیسی نہ رہی اس لئے اب پتہ نہیں کیا ہوگا۔

اس وقت حضرت ابنِ عباس رضؓ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے تسلّی دی تو مزید رو دیئے۔ انہوں نے آپ کے کارناموں کا ذکر کیا اور کہا کہ آپ تو انعامات حاصل کریں گے اتنے میں نزع کی کیفیت طاری ہوگئی تو بیٹوں نے کہا اباجان آپ مرنے والوں سے پوچھا کرتے تھے کہ تمہارا کیا حال ہے مگر کوئی آپ کے سوال کا جواب نہ دیتا تھا۔ اب آپ پر وہی وقت آگیا ہے آپ بتایئے آپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے فرمایا میں ایسے محسوس کرتا ہوں جیسے:

۱۔ پہاڑ میری گردن پر رکھ دیا گیا ہے

۲۔ جیسے میں سوئی کے ناکے سے سانس لے رہا ہوں

۳۔ جیسے کھجور کے کانٹے میرے پیٹ میں ڈال کر کھینچے جا رہے ہیں

اس کے بعد قدرے خاموش رہے اور پھر کلمہ پڑھ کر اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

۲۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب:

موتہ کی جنگ میں جب کہ مسلمانوں کے مقابلہ پر ایک لاکھ سے زائد رومی اور عیسائی موجود تھے۔ اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ مسلمانوں نے امیر لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ کی زیرِ قیادت حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیے جب حضرت زیدؓ شہید ہو گئے تو آپ نے لشکر اسلام کا علم سنبھالا۔ اپنے گھوڑے سے کود کر اس کی کونچیں کاٹ دیں اور تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اس وقت ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

ترجمہ: جنّت کیا ہی اچھی اور اس کی قربت کتنی پیاری ہے اور اس کا پانی ٹھنڈا ہے۔

رومی وہ لوگ ہیں جن کے عذاب کا وقت قریب آگیا ہے یہ کافر ہیں اور ان کے نسب ناموں میں گڑبڑ ہے۔

مجھ پر فرض تھا کہ جب وہ میرے سامنے آیئں تو میں ان پر وار کروں آپ پر ہر طرف سے تیروں۔ تلواروں اور برچھیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن آپ پر زخم پر زخم کھاتے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا لیکن اس حالت میں بھی جو دشمن اللہ کے اس شیر کے سامنے آتا تھا آناً فاناً خاک وخون میں لوٹ جاتا تھا۔ آخر دشمنوں نے نرغہ کر کے آپ کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا۔ آپ نے فوراً دوسرے ہاتھ سے جھنڈا تھام لیا۔ جب دوسرا ہاتھ کٹ گیا تو علم اسلام کو سینے سے چمٹا لیا۔ اسی حالت میں دشمن کا ایک نیزہ ان کے سینے کے پار ہو گیا اور وہ فرشِ خاک پر گر گئے۔ اس وقت ان کے جسم پر نوّے سے زیادہ زخم تھے۔

جس وقت موتہ میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان یہ خونریز جنگ جاری تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضؓ کی ایک جماعت کے درمیان مسجد نبویؐ میں جلوہ فرما تھے۔ یکایک آپؐ نے فرمایا:

"نشان لیا زید رضؓ نے اور وہ شہید ہوئے۔

نشان لیا اب جعفر رضؓ نے اور وہ شہید ہوئے

نشان لیا اب عبداللہؓ بن رواحہ نے اور وہ شہید ہوئے

نشان لیا اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اور اس کو فتح دی گئی"

گویا جنگ کا نقشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے تھا۔ اسی واقعہ کی بنا پر حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۳ - حضرت عامرؓ بن فہیرہ:

صفر ۴ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو براء کلابی کی درخواست پر ستر صحابہؓ

کی ایک جماعت نجد کی طرف روانہ فرمائی تاکہ دین اسلام کی اشاعت کر سکیں۔ اس جماعت کے اکثر ارکان اصحاب صفہ میں سے تھے اور قرّا۔ (قرآن پڑھنے والے) کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ بھی اس مقدس جماعت میں شامل تھے۔ جب یہ اصحاب بئر معونہ کے مقام پر پہنچے۔ تو بنو کلاب کے سردار عامر بن طفیل نے غدّاری کی اور قبائل رعل و ذکوان کے مشرکین کو ساتھ لے کر اس مقدس جماعت پر حملہ کر دیا۔ حالانکہ یہ جماعت انہیں نجات کا راستہ بتانے آئی تھی۔

یہ تمام پاکباز بزرگ حضرت عمروؓ بن اُمیّہ الضمری کے سوا سب مشرکین کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ کو ایک شخص جبار بن سلمیٰ کلابی نے شہید کیا۔ جب اس نے پوری قوت سے اپنا نیزہ حضرت عامرؓ کی پشت پر مارا۔ تو انہوں نے گرتے ہوئے بے ساختہ فرمایا "فُزتُ واللّٰہ" یعنی خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا اس وقت ان کی تلاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

جبار بن سلمیٰ کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اور کفر کی تاریکی اس کے دل سے دور ہو گئی بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

حضرت عامرؓ سفر ہجرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ تھے۔ آپ حضرت صدیق اکبرؓ کے غلام تھے۔

سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب اس انتہائی المناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے چالیس دن نماز فجر کے بعد ان قاتلوں کے لئے بد دُعا فرمائی۔

۴۔ حضرت زیدؓ بن خطاب

آپ حضرت عمرؓ کے بھائی تھے۔ جنہیں آپ سے بے حد محبت تھی ۱۱ھ میں جب یمامہ کے قریب عقربا کے مقام پر مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کے لشکروں کا آمنا سامنا

ہوا۔ تو اس وقت مسیلمہ کذاب کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ جبکہ مسلمان کل دس ہزار تھے اس موقع پر لشکرِ اسلام کی قیادت حضرت زیدؓ بن خطاب کے ہاتھ میں تھی۔

ایک موقعہ پر لشکر کفار کے شدید حملوں کی تاب نہ لاکر لشکرِ اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تو آپ نے مسلمانوں کو للکارتے ہوئے کہا:

"مسلمانوں خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے خدا کی قسم آج میں اس وقت تک کلام نہیں کرونگا۔ جب تک دشمن کو شکست نہ دے دوں۔ یا اللہ کے سامنے حاضر ہوکر اپنی معذرت پیش کردوں۔ اے لوگو مصیبتیں برداشت کرو۔ ڈھالیں تھام لو۔ اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ ہاں۔ ہاں قدم بڑھاؤ اے گروہِ اسلام تم اللہ کی جمیعت ہو۔ اور تمہارے دشمن شیطانی گروہ ہیں۔ عزّت۔ اللہ۔ اللہ کے رسولؐ۔ اور اللہ کی جماعت کے لئے ہے میری مثال کی پیروی کرو۔ جو میں کرتا ہوں وہی تم بھی کرو"

اس کے بعد یہ کہتے ہوئے کہ" الہٰی میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی پر تیرے حضور معذرت خواہ ہوں"، تلوار تھام کر مرتدین پر اس شدّت کا حملہ کیا کہ ان کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے دُور تک آگے نکل گئے۔ بالآخر مرتدین نے نرغہ کرکے ان پر تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔ اور آپ نے اپنی جان اللہ کے حوالے کردی۔

زیدؓ حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی تھے۔ انہوں نے جب اپنے بڑے بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو فرطِ غم سے نڈھال ہوگئے اور کہا:

"زیدؓ دو نیکیوں میں مجھ سے بڑھ گئے ایک قبولِ اسلام میں اور دوسرے شہادت حاصل کرنے میں"

حضرت عمرؓ کے لئے یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ کسی صورت بھلا نہیں پاتے تھے۔ ابنِ اثیر رحمۃ کے بیان کے مطابق آپ فرمایا کرتے تھے۔

"بادِ صبا چلتی ہے تو مجھے اس سے زیدؓ کی خوشبو آتی ہے اور ان کی یاد
تازہ ہو جاتی ہے۔"

۵۔ حضرت اخرمؓ اسدی :

سنہ ۶ ھ میں فزاری غارت گروں کا ایک گروہ غابہ کی چراگاہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس شیر دار اونٹنیاں لے گئے جب حضرت سلمہؓ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان غارت گروں کا بہت دور تک تعاقب کیا۔ اور پھر ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر مدد کے لئے پکارا۔ جس پر تین گھوڑ سوار ان کی طرف آتے ہوئے نظر آئے جن میں سب سے آگے اخرمؓ اسدی تھے۔ حضرت سلمہؓ نے پہاڑی سے اتر کر ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا

"رک جاؤ اگر تم آگے بڑھے۔ تو مجھے ڈر ہے کہ لٹیرے تم پر حملہ کر دیں گے تھوڑی دیر تک انتظار کرو تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ یہاں آپہنچیں۔"

حضرت اخرمؓ کو غیرتِ دین کی وجہ سے انتظار کی تاب نہ تھی آپ نے فرمایا:

"اے سلمہؓ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو مجھے راہ حق میں اپنی جان قربان کرنے سے نہ روکو۔"

ان کے جوش و جذبہ کو دیکھ کر حضرت سلمہؓ نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی اور وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے غارت گروں کی طرف بڑھے ان کی تعداد چالیس تھی ان کا سردار مشہور جنگجو عبدالرحمٰن بن عیینہ سب سے پہلے آپ کے سامنے آیا۔ آپ نے اپنی تلوار سے اس پر بھرپور وار کیا جس سے وہ خود تو بچ گیا لیکن اس کا گھوڑا کٹ کر گر پڑا اب اس نے سنبھل کر آپ پر نیزے کا وار کیا جو کارگر ثابت ہوا اور آپ کے جگر کے پار ہو گیا جس سے آپ شہید

ہو کر فرش خاک پر گر گئے۔

۶ - حضرت وہبؓ بن قابوس مزنی :

آپ شوال ۳ھ میں غزوۂ احد کے دن منظر عام پر آئے۔ لڑائی کے نازک لمحات میں جب کافروں نے اس گروہ کی جانب رخ کیا جس سے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ تو آپؐ نے اپنے جانثاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا "اس غول کو کون روکے گا۔"

حضرت وہبؓ بن قابوس نے جو قریب ہی کھڑے تھے عرض کیا "یارسول اللہ اس کام کے لیئے میں حاضر ہوں" یہ کہہ کر آپ نے مشرکین پر اس شدّت سے تیراندازی کی کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے اسی اثنا میں مشرکین کا ایک اور ریلا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کو کون روکے گا۔" حضرت وہبؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ میں حاضر ہوں" پھر آپ نے اس چابکدستی سے تلوار چلائی کہ کفار کا منہ مڑ گیا اور مطلع صاف ہو گیا اب کفار کو حضرت وہبؓ کے خلاف زبردست غصّہ تھا اس لئے تازہ دم جتھہ آگے بڑھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کا مقابلہ کون کرے گا" حضرت وہبؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ میں حاضر ہوں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جاؤ جنّت تمہاری منتظر ہے" یہ آپ کی شہادت کی بشارت تھی جسے سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ کسی کو نہ چھوڑونگا۔ اور نہ خود بچنے کی کوشش کرونگا۔ تلوار سونت کر کفار و مشرکین پر ایک زوردار حملہ بول دیا۔ اور اس جوش سے تلوار چلائی کہ لڑتے لڑتے گروہِ کفار کے دوسری جانب نکل گئے اور پھر وہاں سے پلٹے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم آپ کو بڑی تحسین کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے "اَللّٰھُمَّ اَرْحَمْہٗ" (الٰہی اس پر رحم فرما) حضرت وہبؓ دیر تک کفار میں تلوار چلاتے رہے آخر مشرکین نے نرغہ کر کے تلواروں اور تیروں کا

ملبہ برسادیا۔ اور آپ بیسیوں زخم کھاکر شہید ہوگئے کفار نے آپ کی لاش کا مثلہ کیا یعنی ناک کان ہونٹ کاٹ ڈالے اور جسم کو جگہ جگہ سے پھاڑ ڈالا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم خود ان کی میّت کے پاس پہنچے۔ اور فرمایا "میں تم سے راضی ہوں" ان کی قبر کھودنے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاؤں کی طرف کھڑے رہے ان کو سرخ لکیریں یا سرخ بوٹیوں کی ایک چادر کا کفن پہنایا۔ چادر چھوٹی تھی۔ پاؤں ننگے رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان پر حرملہ گھاس ڈلوادی۔ اور پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کو سپرد خاک کیا۔

۷ - حضرت عروہ رضؓ بن مسعود ثقفی

بنو ثقیف بڑے جنگجو اور مغرور لوگ تھے آپ اس قبیلہ کے فرد تھے۔ جب آپ نے قبولِ اسلام کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے قبیلے میں دعوتِ حق کی تبلیغ کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری سنگدل قوم تم سے لڑے گی" اور ایک روایت میں ہے کہ تمہاری قوم تم کو قتل کر دیگی۔ آپ نے عرض کیا یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بنو ثقیف میرا بہت احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر میں سو رہا ہوں تو مجھے بیدار بھی نہیں کرتے کہ مبادا مجھے تکلیف ہو آپ نے ان کی بات سن کر تبلیغِ حق کی اجازت دے دی۔

مسلمان ہونے کے بعد آپ عشاء کے قریب طائف پہنچے تو بنو ثقیف آپ کی آمد کی خبر سن کر ملاقات کیلئے آئے اور جاہلیت کے طریقے پر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے اس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہاکہ تم کو اہلِ جنّت کی طرح سلام کرنا چاہیئے اور السلام علیکم کہنا چاہیئے پھر آپ نے بنو ثقیف کو اسلام کی دعوت دی اس پر وہ بھڑک اُٹھے اور آپ کو سخت سست کہہ کر چلے گئے۔

صبح کو آپ نے اپنے بالاخانہ میں کھڑے ہو کر فجر کی اذان دی۔ جس کو سن کر

بنو ثقیف مشتعل ہو گئے اور آپ کی سرداری اور عزت کا خیال نہ کرتے ہوئے آپ پر تیراندازی شروع کر دی۔ ایک تیر آپ کی رگ اکحل میں پیوست ہو گیا جس سے زندگی خطرے میں پڑ گئی جب آپ کے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تو اہل خاندان ہتھیار باندھ کر آپ کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کا بدلہ ضرور لیں گے۔ خواہ ہمارا بچہ بچہ مارا جائے جب تک بنو مالک کے دس سردار قتل نہ کر لیں گے۔ ہم کو چین نہ آئیگا۔

حضرت عروہؓ نیک نفسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا "یہ تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص فضل ہے کہ اس نے مجھے رتبہ شہادت پر فائز کیا۔ میرے بدلے میں کسی کو قتل نہ کرو میں نے اپنا خون معاف کر دیا میری اب صرف یہ آرزو ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ساتھیوں کے پاس دفن کرنا جو طائف کے محاصرہ کے دوران شہید ہوئے میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جنہوں نے مجھے اس بات کی خبر دی تھی کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کر ڈالے گی۔"

اس وصیت کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی اور اہل خاندان نے طائف کے گنج شہیداں میں آپ کو سپرد خاک کر دیا۔

۸۔ حضرت حارثؓ بن ہشام مخزومی

آپ مسلمانوں کے اس لشکر میں شامل تھے جس نے یرموک کی خونریز جنگ لڑی تھی اس جنگ میں ہرقل شاہِ روم نے چند ہزار فرزندانِ توحید کے مقابلے میں لاکھوں رومی جمع کر دیئے تھے۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں رومیوں میں تباہی مچا دی تھی۔ عین اس وقت جبکہ لڑائی اپنے زوروں پر تھی حضرت حارثؓ نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے سخت زخمی ہوئے اور زمین پر گر گئے دوسرے مجاہدین نے رومیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ادھر حضرت حارثؓ پر نزع کا عالم طاری تھا۔ اس وقت آپ کو شدید پیاس محسوس ہوئی اور مُنہ سے پانی کا لفظ نکلا۔ ایک مجاہد دوڑ کر پانی لائے، پیالہ ابھی مُنہ سے لگایا ہی تھا۔

کہ ایک دوسرے جان بلب زخمی مجاہد کے منہ سے "پانی" نکلا۔ حضرت حارثؓ نے پیالہ منہ سے ہٹا دیا اور اشارہ کیا کہ اس بھائی کے پاس پانی لے جاؤ۔ جب پانی ان کے پاس پہنچا تو ان کے پاس ایک اور زخمی مجاہد جان کنی کی حالت میں پانی مانگ رہے تھے دوسرے مجاہد نے بھی پانی پینا گوارا نہ کیا۔ اور اپنے قریب کے زخمی مجاہد کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے پاس پانی پہنچا تو وہ فوت ہو چکے تھے۔ دوسرے زخمی اور حضرت حارثؓ کے پاس دوبارہ پانی لایا گیا تو وہ دونوں بھی دم توڑ چکے تھے۔ اور اپنے جذبۂ ایثار و اخوّت سے خود کو حوضِ کوثر کے پانی کا مستحق بنا چکے تھے۔

۹ - حضرت عبداللہؓ بن مُغفّلؓ

آپ عراق کے بہت سے معرکوں میں دادِ شجاعت دینے کے بعد واپس بصرہ میں آگئے تھے اور حسبِ سابق وہاں درس و تدریس اور افتاء میں مشغول ہو گئے ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں آپ سخت بیمار ہو گئے جب زندہ رہنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو گھر والوں کو وصیت کی کہ :

۱۔ غسل کے آخری پانی میں کافور ملانا۔

۲۔ غسل کے وقت صرف احباب موجود ہوں۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی غسل دیں۔

۴۔ کفن میں دو چادریں اور ایک قمیص ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن ایسا ہی تھا۔

۵ ۔ جنازے کے پیچھے آگ نہ روشن کی جائے۔

۶ ۔ حاکمِ بصرہ عبیداللہ ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو۔

جب آپ کی روح پرواز کر گئی تو آپ کے ورثاء نے آپ کی وصیتوں کو پورا کیا جب جنازہ اٹھایا گیا تو عبیداللہ ابنِ زیاد انتظار میں کھڑا تھا اس کو آپ کی وصیت سے آگاہ

کیا گیا تو تھوڑی دور تک جنازے کے ساتھ جاکر واپس چلا گیا۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت ابو برزہ سلمی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ اور بصرہ میں ہی سپردِ خاک کر دیا۔

۱۰۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش

جنگِ اُحد سے ایک روز قبل آپ نے یہ دُعا کی:

"اے میرے اللہ میرے مقابلے میں ایسا آدمی لانا جو بڑا بہادر اور تُند ہو میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے میں تیری راہ میں اس کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں پھر وہ میری ناک اور کان کاٹ ڈالے جب میں تجھ سے ملوں۔ اور تو مجھ سے پوچھے کہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے۔ تو میں عرض کروں کہ اے اللہ تیرے لئے اور تیرے رسول ﷺ کے لئے میرے جواب پر تو فرمائے کہ ہاں تو سچ کہتا ہوں۔"

دوسرے دن آپ مشرکین کے خلاف اس والہانہ انداز سے لڑے کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ لڑتے مرتے آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ایک مضبوط چھڑی عطا فرمائی جس سے آپ نے تلوار کا کام لیا۔ اور بہت دیر تک اس سے دشمنوں کے خلاف لڑتے رہے۔ اسی حالت میں ابو الحکم بن اخنس ثقفی نے آپ پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا جس سے آپ شہید ہو کر گر پڑے مشرکین نے آپ کی لاش کا مُثلہ کیا اور ناک اور کان کاٹ لئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کر لی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بے حد محبت تھی آپ ﷺ نے ان کو اپنے محبوب چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں احد کے گنج شہیداں میں دفن کیا۔

۱۱۔ حضرت عُبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث

آپ رشتہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ جنگ بدر میں آپ کا مقابلہ شیبہ اور بعض روایات کے مطابق عتبہ سے ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان کافی دیر تک

کشمکش ہوتی رہی۔ آپ عمر رسیدہ آدمی تھے۔ مقابل بھی عمر رسیدہ تھا اس لئے دونوں بیدم ہوگئے۔

لیکن آخری بار شیبہ نے اپنی تلوار کا ایک بھرپور وار آپ پر کیا جس سے آپ شدید زخمی ہوگئے۔ آپ کا ایک پاؤں شہید ہوگیا اور پنڈلی کی ہڈی سے گودا بہنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ (اور بروایت دیگر حضرت حمزہؓ بھی) جو اپنے دشمن سے فارغ ہوچکے تھے۔ ادھر بڑھے اور شیبہ کو جہنم واصل کرکے حضرت عبیدہؓ کو میدانِ جنگ سے اٹھا لائے۔ جب آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ کا جسم زخموں سے چور چور تھا۔ آپ کی یہ حالت دیکھکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے تسلی دی۔ انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! کیا مجھے شہادت نصیب نہ ہوگی"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بلاشبہ تم شہید ہو اور نیکوکاروں میں سے ہو" یہ بشارت سن کر آپ کو بے حد خوشی ہوئی اور چہرے پر بشاشت کی لہریں پھیل گئیں آپ نے پھر عرض کیا" اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے اور مجھے اس حالت ہی دیکھتے تو ان کو یقین ہوجاتا کہ میں ان کے اس قول کا کس قدر مستحق ہوں"

ترجمہ: ہم رسول اللہؐ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے اردگرد جانیں دے دیں۔ اور اپنے اہل و عیال سے بے نیاز ہوجائیں گے۔

غزوۂ بدر کے بعد جب لشکرِ اسلام مدینہ منورہ کی طرف عازم سفر ہوا تو راستے میں حضرت عبیدہؓ کا آخری وقت آگیا اور وادی صفراء میں آپ نے موت کو لبیک کہا ان کی تدفین کے بعد مدتوں تک وادی صفراء سے مشک کی خوشبو آتی رہی اور جو کوئی وہاں سے گزرتا خوشبو کی لپیٹیں اسے مسحور کردیتیں۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳

سال تھی۔

۱۲۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مخرمہ عامری

آپ اکثر دُعا کیا کرتے تھے کہ:

"الٰہی مجھ پر اس وقت تک موت وارد نہ ہو۔"

جب تک میرے جسم کا ایک ایک بند تیرے راستے میں زخموں سے چُور چُور نہ ہو جائے گا۔"

آخر اس دُعا کے قبول ہونے کا وقت آگیا اور آپ نے ۱۱ھ میں ان جیوش کے ایک جیش میں شرکت کی جنہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے استیصال کیلئے مامور فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک معرکے میں آپ اس جوش اور ثابت قدمی سے لڑے کہ تن بدن کا ہوش تک نہ رہا۔ زخم پر زخم کھاتے اور تلوار چلائے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا جس پر دشمن کے ہتھیار کی ضرب نہ لگی ہو۔ آخر زخموں سے چُور چُور ہو کر گر پڑے لوگ آپ کو میدانِ جنگ سے اٹھا کر خیمے میں لے گئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آپ بھی روزے سے تھے اگرچہ زخموں نے نڈھال کر دیا تھا۔ لیکن آپ نے روزہ توڑنا گوارا نہ کیا۔ شام کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حال دریافت کرنے آئے ان سے پوچھا "کیا روزہ افطار کر لیا ہے؟" انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا "میرے لئے بھی پانی لاؤ۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے کہ اللہ کے یہ نیک بندے اس حالت میں بھی روزے سے ہیں فوراً پانی لانے کے لئے دوڑے لیکن ابھی واپس بھی نہ آنے پائے تھے کہ آپ کی روح پرواز کر گئی اس وقت آپ کی عمر اکتالیس سال تھی۔

۱۳۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح

آپ اسلام کے پہلے مؤذن ہیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ستّر برس کے قریب تھی۔

آپ کی وفات کے متعلق تین مختلف روایات ہیں جن کے مطابق آپ سنہ ۱۷ھ یا سنہ ۲۰ھ یا سنہ ۲۱ھ میں ہوئی تھی۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضؓ کو جب آپ کی وفات کی خبر ملی تو روتے روتے نڈھال ہو گئے اور بار بار فرماتے تھے۔

"آہ ہمارا سردار بلال رضؓ بھی ہمیں داغ جدائی دے گیا"

مرتے وقت جب آپ کی اہلیہ محترمہ رونے لگیں تو اس سے فرمایا:

"تم روتی کیوں ہو۔
مجھے تو ایک لمبے عرصے کی جدائی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے پرانے ساتھیوں کی ملاقات کا موقع میسّر آرہا ہے اور ہم انشاء اللہ کل ان سب سے جا ملیں گے۔"

آخری لمحات میں آپ بے حد خوش تھے اور آپ کے چہرے سے بشاشت ٹپکتی تھی۔

۱۴۔ حضرت عکرمہ رضؓ بن ابو جہل

یرموک کی جنگ میں آپ ایک جیش کے سردار تھے۔ آپ نے جیش کو بڑی جنگی تدابیر کے تحت لڑایا۔ اور خود بھی لڑنے کا حق ادا کر دیا۔ ایک موقع پر رومیوں نے سخت دباؤ ڈالا اور مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے آپ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور للکار کر کہا:

"رومیو میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا قدم پیچھے ہٹ سکتا ہے خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا"

پھر فوج کی طرف دیکھا اور فرمایا "آؤ کون میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتا ہے"۔ ان کی آواز پر چار سو جانباز آگے بڑھے اور انہوں نے آپ کے ہاتھ پر موت کی بیعت

کی ان میں آپ کے دونوں بیٹے بھی تھے۔ اس کے بعد ان جانبازوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے خیمہ کے سامنے نہایت بے جگری سے لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک ایک شہید ہوگیا یا سخت زخمی ہوکر لڑنے سے معذور ہوگیا حضرت عکرمہؓ اور آپ کے دونوں فرزندوں کو مہلک زخم آئے۔ لڑکوں کی حالت سخت نازک تھی حضرت خالدؓ ان کو دیکھنے کے لئے آئے ایک کا سر اپنی ران پر اور دوسرے کا اپنی پنڈلی پر رکھا۔ پھر ان کے چہروں سے خون پونچھا اور حلق میں پانی ٹپکانا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔

"خدا کی قسم ابن حنتمہ (حضرت عمر فاروقؓ) کا گمان درست ثابت نہیں ہوا کہ ہم (بنو مخزوم) شہادت حاصل کرنا نہیں چاہتے"

حضرت عکرمہؓ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر سے ملی۔ ابھی کچھ دم باقی تھا حضرت خالدؓ نے ان کے حلق میں پانی ٹپکا کر مذکورہ بالا الفاظ کہے:

۱۵۔ حضرت اسعدؓ بن زُراہ انصاری:

شوال سلہ ھ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی مسجد کی تعمیر سے فراغت نہیں پائی تھی۔ کہ حضرت اسعدؓ کے حلق میں شدید درد اُٹھا جو ذبحہ کہلاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی علالت کی خبر سنی تو بے تاب ہوگئے فوراً عیادت کے لئے تشریف لائے انہیں درد سے بے چین دیکھ کر اپنے دست مبارک سے سر کو داغا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ اور اسی حالت میں انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا وفات سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یارسول اللہ میں اپنے پیچھے دو کم سن لڑکیاں چھوڑ رہا ہوں۔ وہ اللہ کے اور آپؐ کے حوالے ہیں ان کے سر پر اپنا دست شفقت رکھیئے گا۔

چونکہ آپ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے خدمت گزار تھے اس لئے یہودیوں نے ان کی وفات پر زبان طعن دراز کی آپؐ نے یہود کی خرافات سن کر فرمایا:

"یہود کہتے ہیں اگر محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہوتے تو ان کا اتنا سرگرم حامی نہ مرتا حالانکہ بے نیاز اللہ کی قضا کے سامنے کسی کی پیش نہیں چلتی۔"

۱۶ - حضرت عبداللہؓ بن رواحہ:

جنگِ موتہ پر روانہ کرتے وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ لشکرِ اسلام کے امیر حضرت زیدؓ بن حارثہ ہونگے۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب ہونگے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ امیر لشکر ہونگے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زیدؓ کے حوالے کیا اور لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ روانہ ہونے لگے تو انہیں پورا یقین تھا کہ اب اس دنیا میں دوبارہ ان لوگوں سے ملاقات نہ ہو گی جب ان سب نے رخصتی سلام کیا اور دُعا کی کہ اللہ تمہیں بخیر و عافیت واپس لائے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے یہ شعر پڑھے۔

ترجمہ "میں اللہ پاک سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ اور تلوار کی ایک ایسی کاری ضرب جو جوش کو ٹھنڈا کر دے۔ (جس سے جھاگ دار خون پانی کی طرح بہہ نکلے) یا برچھے کا ایسا وار جو آنتوں اور جگر کو چیرتا ہوا نکل جائے یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر پر گزریں تو پکار اٹھیں کہ اللہ نے اس غازی کو ہدایت دی اور کامیاب کیا اور بے شک یہ ہدایت پر تھا۔"

تھوڑی دور جانے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی جماعت کے ساتھ جب مدینہ کو واپسی فرمائی اور چند وصیتیں بھی کیں تو حضرت عبداللہؓ کا دل بھر آیا اور آپ کی زبان پر بے ساختہ یہ شعر آگیا۔

ترجمہ: "اس ذات کو آخری سلام کہ میں نے جن کو کھجور کے درختوں میں رخصت کیا جو متابعت کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں اور جو سب سے بہتر دوست ہیں"

شرجیل بن عمرو غسانی کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے ہرقل شاہ روم سے مدد طلب کرلی اور تقریباً ایک لاکھ جنگجو ساتھ لے کر مسلمانوں کے مقابل آگیا جب مسلمانوں نے تین ہزار کے مقابلے پر ایک لاکھ اغیار کو پایا تو بعض اصحاب نے رائے دی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مدد حاصل کی جائے اس موقعہ پر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے فرمایا:

"اے لوگو۔ تم کس بات سے گھبرا رہے ہو۔ تمہارا مقصود تو راہ حق میں اپنی جانیں قربان کرنا ہے مسلمان کبھی مادّی قوّت اور آدمیوں کی کثرت کے بل پر نہیں لڑتے وُہ صرف دینِ حق کی خاطر لڑتے ہیں جس نے اسے عزّت بخشی ہے۔ آگے بڑھو۔ اور دو کامیابیوں میں سے ایک حاصل کرلو۔ شہادت یا فتح۔"

حضرت عبداللہؓ کی تقریر نے تمام مجاہدین کے دل شوقِ شہادت سے معمور کردیئے۔ جنگ شروع ہوئی حضرت زیدؓ شہید ہوئے پھر حضرت جعفرؓ شہید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے تین دن سے کوئی غذا نہ کھائی تھی شہادت سے کچھ دیر پہلے ذرا قوّت حاصل کرنے کے لئے کچھ کھانا چاہا۔ اس پہلا لقمہ ہی مُنہ میں رکھا تھا کہ حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر سنی۔ انہوں نے وہ لقمہ فوراً اگل دیا۔ اور اپنے نفس سے مخاطب ہوکر کہا جعفرؓ دنیا سے رخصت ہو گئے اور تو ابھی تک دنیا میں مشغول ہے پھر تلوار سنبھالی اور یہ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں چلے گئے۔

ترجمہ: "اے نفس اگر قتل نہ ہوگا تب بھی مرے گا۔ کہ موت کا حمّام گرم کردیا گیا ہے اور جو تیری تمنّا تھی وُہ پوری ہو رہی ہے اگر تُو نے ان (شہیدوں) جیسے کام

کئے تو ہدایت پاگیا۔"

لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آیا۔ جس سے وہ ٹھک گئی۔ آپ گھوڑے سے اُتر پڑے اور پاؤں سے اس انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا اس طرح وہ جسم سے الگ ہوگئی خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے کمزوری محسوس ہونے لگی اور دل میں کچھ تردّد ہوا کیسے لڑوں۔ لیکن یہ تردّد فوراً دور ہوگیا اور آپ نے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے نفس یہ تردّد اگر بیوی کے لئے ہے تو اس کو طلاق۔ اگر غلاموں کی وجہ سے ہے تو وہ سب آزاد اگر باغ اور زراعت کی وجہ سے ہے تو وہ سب اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اس کے بعد پھر مردانہ وار یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔

ترجمہ: " اے نفس میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تجھے میدان میں اترنا ہوگا خواہ خوشی سے اتر خواہ ناگواری سے اگر لوگ جمع ہوئے اور رونے کی آواز بلند کی تو مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اے نفس تجھے جنّت میں جانے سے کراہت ہے۔

تو نے اطمینان کا بہت طویل زمانہ گزارا ہے تو وہی تو ہے جو رحم کے مشکیزے میں نجس پانی کا ایک قطرہ تھا۔"

آپ دیر تک تلوار چلاتے اور دشمنوں کو قتل کرتے رہے اسی دوران دشمن کے کسی سپاہی نے برچھی کا ایسا سخت وار کیا۔ کہ آپ زمین پر گر گئے سینے سے خون کا فوارّہ چھوٹا تو اس خون کو اپنے چہروں پر مل لیا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"مسلمانو اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ" (یعنی دشمن میری لاش خراب نہ کرنے پائے) چنانچہ مسلمانوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کفار کو پیچھے دھکیل دیا اسی اثنا میں آپ کی روح پرواز کر گئی۔

آپ کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید امیر لشکر ہوئے اور انہوں نے اس قدر زوردار

حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

۱۷۔ حضرت عبادہؓ بن صامت

آپ ۷۲ سال کی عمر میں بیمار ہوئے بیماری تکلیف دہ تھی مگر آپ برابر اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ صحابہؓ آپ کی عیادت کے لئے کثرت سے آیا کرتے تھے۔ ان کے پرسشِ حال پر آپ فرمایا کرتے تھے "اللہ کے فضل سے اچھا ہوں"۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ میرے غلاموں خادموں پڑوسیوں اور ان لوگوں کو جو اکثر میرے پاس آیا کرتے ہیں۔ بُلا لاؤ۔ جب یہ حضرات آپ کے پاس جمع ہوئے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"شاید یہ میرا آخری دن ہو۔ اور آج کی رات میری آخرت کی پہلی رات ہو تم لوگوں کے ساتھ میرے ہاتھوں یا میری زبان سے کبھی کوئی زیادتی ہوئی ہو تو ایک ایک آئے اور مجھ سے بدلہ لے" لوگوں نے عرض کیا۔

کہ آپ تو ہمارے لئے بمنزلہ والد ہیں اور ہم کو آداب سکھانے والے ہیں حضرت عبادہؓ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے مجھے معاف کر دیا۔ سب نے کہا ہاں حضرت عبادہؓ نے کہا اے میرے اللہ گواہ رہیو۔ پھر فرمایا۔ اگر کوئی بدلہ نہیں لیتا۔ اور سب نے معاف کر دیا۔ تو میری وصیّت پر عمل کرنا۔ کہ مجھ پر رونا نہیں۔ بلکہ جب میں مرجاؤں تو تم سب اچھی طرح وضو کر کے مسجد جانا اور نماز پڑھ کر میرے لئے مغفرت کی دُعا کرنا۔ مجھ کو میری قبر کی طرف لے چلنا۔ میرے پیچھے آگ نہ لے جانا۔ اور نہ میرے نیچے ارغوانی رنگ کا کپڑا رکھنا (اُس زمانہ کے جاہلوں میں میّت کے پیچھے آگ لے جانے کا دستور تھا)

وفات سے پہلے بیٹے نے عرض کیا کہ مجھ کو وصیّت فرمائیے۔ فرمایا مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ۔ جب بیٹھ گئے تو فرمایا "تقدیر پر یقین رکھنا ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔"

اسی حالت میں ان کے شاگرد رشید مشہور تابعی حضرت ابو عبداللہ عبدالرحمان بن عسیلہ

حاضرِ خدمت ہوئے شفیق استاد کو جان کنی کے عالم میں دیکھا تو فرطِ غم سے رونے لگے۔ حضرت عبادہؓ نے فرمایا کہ میں راضی برضا ہوں تم روؤ نہیں۔ انشاءاللہ شفاعت کی ضرورت ہوگی تو شفاعت کرونگا۔ شہادت کی ضرورت ہوگی تو شہادت دونگا۔ غرض جہاں تک ہوسکا تمہیں نفع پہنچاؤنگا۔ اس کے بعد فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو کچھ سنا تھا۔ تم لوگوں تک پہنچا دیا۔ البتہ ایک حدیث باقی تھی۔ اس کو اب بیان کردیتا ہوں۔ حدیث بیان کی تو آخری ہچکی لی۔ اور دارِ فانی سے رخصت ہوگئے یہ ۳۴ھ کا واقعہ ہے:

۱۸۔ حضرت براء بن معرور

آپ بیعت عقبہ کبیرہ میں شامل تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ میں آمد کے منتظر رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت سے ایک ماہ قبل ماہ صفر میں سخت بیمار ہوگئے جب جانبری کی اُمید نہ رہی تو وصیّت کی کہ قبر میں مجھ کو قبلہ رُخ رکھنا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ میں تشریف لائیں تو میری تمام جائداد کا ایک تہائی ان کی خدمت میں پیش کردینا۔ اس کے بعد اپنا منہ قبلہ کی طرف کرلیا اور اپنی جان اللہ کے حوالے کردی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے تو آپؐ ان کی قبر پہ تشریف لے گئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ حضرت براءؓ کی وصیّت کے مطابق ان کا تہائی مال حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا گیا آپؐ نے اسے قبول فرما کر ان کے وارثوں کو واپس کردیا۔

۱۹۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح:

۱۸ھ میں مصر۔ عراق اور شام میں طاعون کی خوفناک وبا پھوٹ گئی جسے طاعون عمواس کہتے ہیں: اس زمانے میں لشکرِ اسلام کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تھے۔

اور شام میں فوجوں کے ساتھ مقیم تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضؓ نے آپ کو اس علاقے سے نکل آنے کی ترغیب دی لیکن آپ نے اس بناء پر معذرت کر دی کہ یہ تقدیر الٰہی سے بھاگنے کی بات ہے ہزاروں مجاہدین اس وباء میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ حتیٰ کہ خود حضرت ابو عبیدہؓ رضؓ بھی اس میں مبتلا ہو گئے جب مرض نے شدّت اختیار کی تو آپ نے حضرت معاذؓ رضؓ بن جبل کو بلا کر اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور اس موقع پر مسلمانوں کو بلا کر فرمایا،

"لوگو۔ یہ وبا تمہارے پروردگار کی رحمت تمہارے نبیؐ کی دعوت اور تم سے قبل کے نیکوں کی موت ہے اور اب ابو عبیدہؓ رضؓ بھی اپنے ربّ سے اس سعادت میں حِصّہ پانے کا متمنّی ہے"

ابھی یہ خطاب جاری تھا کہ نماز کا وقت آگیا آپ نے حضرت معاذؓ رضؓ کو حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ اِدھر نماز ختم ہوئی اُدھر حضرت ابو عبیدہؓ رضؓ کا آخری وقت آگیا۔ اور آپ نے جان۔ جانِ آفرین کے سپرد کی۔

حضرت معاذؓ رضؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عمروؓ رضؓ بن العاص اور ضحاک رضؓ بن قیس کے ساتھ مل کر امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ رضؓ بن الجراح کو سپردِ خاک کیا۔

۲۰ حضرت سلمان فارسیؓ رضؓ

جلیل القدر صحابی حضرت سلمان رضؓ فارسیؓ رضؓ کو حضرت عبداللہؓ رضؓ ابن سلام سے بڑی محبت تھی طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ رضؓ بن سلام سے روایت ہے کہ حضرت سلمان رضؓ نے مجھ سے کہا کہ اے بھائی ہم میں سے جو اپنے ساتھی سے پہلے مرجائے تو وہ اپنے پیچھے اپنے والے ساتھی کو دیکھنے ضرور آئے۔ میں نے کہا "ابو عبداللہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں مومن کی روح آزاد کر دی جاتی ہے وہ زمین پر جہاں چاہے جا سکتی ہے۔ اور کافر کی روح قید میں رکھی جاتی ہے" اس کے بعد حضرت سلمان رضؓ فوت ہو گئے میں ان کی وفات کے بعد ایک دن دوپہر کو لیٹا ہوا تھا کہ نیند کا ایک جھٹکا

سانگا۔ میں نے دیکھا کہ سلمان رضؓ آئے اور السلام علیکم رحمۃ اللہ کہا۔ میں نے ان کے سلام کا جواب دیکر پوچھا۔ اے ابو عبداللہ کیا حال ہے انہوں نے کہا بہت بھلا پھر میں نے پوچھا "کس عمل کو آپ نے زیادہ افضل پایا ہے"

انہوں نے فرمایا:

"توکّل کو میں بڑا عجیب پایا ہے اور تم توکّل پر جمے رہنا۔ توکّل بہترین چیز ہے۔ اور تم توکّل پر جمے رہنا اور تم توکّل پر جمے رہنا۔ توکّل بہترین چیز ہے۔"

۲۱۔ حضرت سعدؓ بن ربیع

جنگِ اُحد میں شریک تھے اور بہت بہادری سے لڑے حتّٰی کہ بے شمار زخم کھا کر گر پڑے۔ جب جنگ ختم ہوئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حضرت سعدؓ بن ربیع کے متعلق دریافت فرمایا مگر ان کا پتہ نہ چلا۔ اس لئے آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "کوئی ہے جو سعدؓ بن ربیع کی خبر لائے"، حضرت اُبیّؓ بن کعب نے عرض کیا "یا رسولؐ اللہ میں جاتا ہوں"، یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں گئے اور لاشوں کے درمیان پھر کر سعدؓ کو تلاش کرنے لگے۔ بار بار ان کا نام لے کر پکارتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ آخر انہوں نے بلند آواز سے کہا:

"سعدؓ اگر زندہ ہو تو جواب دو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمہارے پاس بھیجا ہے"

اس وقت حضرت سعدؓ بن ربیع کا دمِ واپسیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سُنا تو اپنے اندر ایک توانائی محسوس کی اور پھر نحیف سی آواز میں جواب دیا:

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں میرا سلام عرض کرنا اور میرے انصاری بھائیوں سے کہنا کہ اگر آج خدا نخواستہ رسولِ خداؐ شہید

ہوگئے اورتم میں سے کوئی ایک بھی زندہ بچا تو اللہ کو ہرگز منہ نہ دکھاسکو گے۔ اوراس کے سامنے تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ ہم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔"

یہ کہا اور آخری ہچکی لے کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے۔

حضرت اُبیؓ بن کعب نے جب ان کے یہ الفاظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کئے تو آپؐ نے فرمایا

"اللہ سعدؓ کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے۔

زندگی اور موت دونوں میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے بہی خواہ رہے۔"

۲۲- حضرت ابو ثعلبہؓ خُشنیؓ

آپ زندگی میں لوگوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ "اللہ سے اُمید ہے کہ وہ مجھے لوگوں کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دنیا سے نہیں اٹھائے گا۔ چنانچہ ان کی یہ اُمید پوری ہوئی۔

حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ ایک دن آدھی رات گئے نماز میں مشغول تھے۔ قریب ہی ان کی بیٹی سو رہی تھی انہوں نے خواب میں دیکھا کہ والدِ گرامی اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور آواز دی ابا جان ابّا جان آپ نے جواب دیا۔ بیٹی نماز پڑھ رہا ہوں تھوڑی دیر کے بعد پھر آواز دی تو کوئی جواب نہ ملا۔ پاس جا کر دیکھا تو سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ اور روح پرواز کر چکی تھی۔

۲۳- حضرت معقلؓ بن یسار مُزنیؓ

آپ حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں بیمار ہوئے حتیٰ کہ بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ اسی حالت میں عبید اللہ بن زیاد آپ کی عیادت کے لئے آئے۔ دورانِ گفتگو آپ نے اس سے فرمایا کہ میرا وقت آخر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جو ابھی تک میرے سینے میں محفوظ ہے میں اس کو بیان کرتا ہوں۔ اچھی طرح

سن لو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص رعایا کی گلہ بانی کرتا ہے اگر اس نے گلہ بانی میں خیانت کی (یعنی رعایا کے حقوق ادا نہ کئے یا اس پر ظلم کیا) تو اس پر اللہ جنت حرام کر دے گا۔

اس کے بعد آپ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

۲۴۔ حضرت ابوالدرداءؓ

آپ ۳۲ھ میں سخت علیل ہو گئے علالت میں ہر روز اضافہ ہی ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ جانبری کی امید نہ رہی۔ اس زمانے میں حضرت یوسف بن عبداللہؓ بن سلام تحصیل علم کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا "کیسے آئے ہو" انہوں نے آپ کی شدید علالت کے پیش نظر کہا "آپ کی زیارت کرنے آیا ہوں"، حضرت ابوالدرداءؓ نے اپنی فراست سے جان لیا کہ جھوٹ بولتا ہے اس لئے انہیں فہمائش کی کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے انہوں نے استغفار کیا تو آپ راضی ہو گئے۔

وفات سے کچھ دیر پہلے زار و قطار رونے لگے۔ آپ کی اہلیہ نے کہا کہ آپ صحابی ہو کر روتے ہیں۔ آخر آپ کو خوف ہی کیا ہے۔ فرمایا معلوم نہیں گناہوں سے کیسے نجات حاصل ہو گی۔" اسی حالت میں اپنے بیٹے بلال کو بلایا جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا۔ دیکھو ایک دن تم کو بھی اس منزل سے گزرنا ہے اس وقت کے لئے تیاری کرو۔ جب وفات کا وقت بالکل قریب آیا تو زیادہ بے قرار ہو کر رونے لگے۔ اہلیہ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ تو موت کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ پھر یہ رونا کیسا؟ فرمایا۔ یہ سچ ہے لیکن جس وقت سے موت کا یقین ہوا خوف الہیٰ سے دل قابو میں نہیں ہے یہ کہہ کر پھر روئے اور فرمایا:

"یہ میرا آخری وقت ہے کلمہ پڑھاؤ"، چنانچہ گھر والے کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور وہ اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی۔

۲۵ - حضرت انسؓ بن مالک

آپ ۹۳ھ میں بیمار پڑے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۳ سال تھی۔ اگرچہ علاج میں کوئی کمی نہ کی گئی مگر مرض بڑھتا ہی گیا اور بے حد کمزوری ہو گئی جب زندگی کی اُمید باقی نہ رہی تو آپ نے اپنے شاگردِ خاص ثابت بنانیؒ سے فرمایا کہ میری زبان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک رکھ دو۔ انہوں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اسی حالت میں آپ کی روح پرواز کر گئی اس وقت سوائے ایک صحابی حضرت حضرت ابوالطفیل کے کرۂ ارض پر اور کوئی صاحب رسولؐ موجود نہ تھے آپ کی نمازِ جنازہ قطنؒ بن مدرک نے پڑھائی اور بصرہ کے قریب مقام طف میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

۲۶ - حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری

صفر ۴ھ میں واقعہ رجیع پیش آیا جس میں مشرکین نے دھوکا دیکر مبلغینِ اسلام کو شہید کر دیا تھا۔ اس مبارک گروہ میں حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری بھی شامل تھے جب مسلمانوں کا یہ گروہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا تھا کہ ان دغا باز مشرکوں سے پناہ حاصل کر سکیں تو مشرکین نے مزید دھوکا دیتے ہوئے ان سے وعدہ کیا کہ نیچے اتر آؤ ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں۔ حضرت عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا " مسلمانوں میں کسی مشرک کی پناہ نہ لونگا " یہی بات انہوں نے باآواز بلند مشرکین سے بھی کہی۔ اور ساتھ ہی دُعا کی :

" الٰہی ہمارے حال کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دے "

دشمنوں نے ان پر تیروں کی بارش کی مجاہدین نے بھی ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کیا لیکن دشمن تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے زیادہ تھے اس لئے حضرت عاصمؓ بن ثابت اور ان کے ساتھ رفقا نے جامِ شہادت پیا۔ اور دو (حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ) کافروں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔

علّامہ ابنِ اثیر رحمۃ نے اُسُد الغابہ میں لکھا ہے کہ شہادت سے پہلے حضرت عاصم رضؓ نے بڑے خشوع و خضوع سے بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی تھی۔ کہ "الہٰی میری اس طرح حفاظت کیجئے کہ نہ میں کسی مشرک کو مَس کروں اور نہ کوئی مشرک مجھے چھُو سکے"

اللہ تعالیٰ نے انکی اس تمنّا کو اس طرح پورا کیا کہ جب وہ شہید ہو گئے تو شہد کی مکھیوں (یا بھِڑوں) کا ایک بہت بڑا غول ان کی لاش پر بھیج دیا جو کسی مشرک کو قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ بالآخر انہوں نے تھک ہار کر یہ طے کیا کہ رات کو جب مکھیاں (یا بھڑیں) چلی جائیں گی اس وقت عاصم رضؓ کا سر کاٹ لیں گے۔ خدا کی قدرت رات کو اس قدر بارش ہوئی کہ اس کے پانی نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی اور حضرت عاصم رضؓ کی لاش اسی سیلاب میں بہہ گئی مشرکین نے اس کو ہر چند تلاش کیا لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی۔

۲۷۔ حضرت حنظلہ رضؓ

غزوہ اُحد کے دن اپنے بیوی کے ساتھ خلوت میں تھے کہ منادی کی آواز سُنی جو مسلمانوں کو جہاد کے لیے پکار رہا تھا۔ اس وقت اُٹھ کھڑے ہوئے غسل کا خیال ہی نہ رہا۔ اور مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں جا پہنچے۔ اس وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ جاتے ہی ان کا سامنا ابو سفیان رضؓ سپہ سالار قریش سے ہو گیا۔ انہوں نے ابو سفیان رضؓ کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے اور ان کو تلوار کی زد میں لے لیا۔ کہ شداد بن اسود لیثی نے آگے بڑھ کر حضرت حنظلہ رضؓ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ شہید ہو کر زمین پر گر گئے۔

لڑائی کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ کی طرف نظر کر کے فرمایا "حنظلہ رضؓ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں"

حضرت ابو اُسید ساعدی رضؓ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُن کر حنظلہ رضؓ کی نعش کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے میں الٹے

پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے واپس آیا اور یہ ماجرا عرض کیا ارشاد ہوا کہ ان کی اہلیہ سے دریافت کرنا چاہیئے کیا بات تھی؟ ابو اُسید رضؓ کہتے ہیں کہ جب ہم واپس مدینہ میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حنظلہ رضؓ کی اہلیہ کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت فرمایا کہ حنظلہ رضؓ کس حال میں جہاد کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کو غسل کی حاجت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسی لئے فرشتے اس کو غسل دے رہے تھے۔ اسی دن سے وہ "غسل الملائکہ" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

۲۸۔ حضرت منذر رضؓ بن عمرو انصاری

صفر ۴ھ میں ابو براء کی درخواست پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ستر مبلغین کی ایک جماعت تبلیغ حق کے لئے نجد روانہ فرمائی۔ اور آپ کو اس جماعت کا سردار مقرر کیا جب یہ حضرات بیر معونہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین نے غداری کر کے حضرت منذر رضؓ اور حضرت عمرو رضؓ بن اُمیہ کے سوا سب کو شہید کر دیا بنی عامر کے سردار عامر بن طفیل نے حضرت منذر رضؓ سے کہا اگر آپ چاہیں تو آپ کو امان دی جا سکتی ہے انہوں نے فرمایا مجھے وہ جگہ بتا دو جہاں تم لوگوں نے حرام رضؓ بن ملحان کو شہید کیا تھا۔ مشرکین انہیں وہاں لے گئے تو انہوں نے تلوار نکال لی۔ اور عامر بن طفیل سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے تمہاری امان کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ تم نے میرے بھائیوں کو ناحق شہید کیا میں ان کے بغیر جی کر کیا کروں گا۔ پھر تلوار چلاتے ہوئے مشرکین میں گھس گئے اور دو کو جہنّم رسید کر کے خود بھی شہید ہو گئے۔ حضرت عمرو رضؓ بن اُمیہؓ نے جو وہاں سے بچ نکلے تھے جب یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو سنائی تو آپؐ کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور حضرت منذر رضؓ کی شہادت کا واقعہ سن کر فرمایا "اس نے موت کی طرف سبقت کی"۔

یعنی راہِ حق میں آگے بڑھ کر انہوں نے موت کو گلے لگا لیا۔

۲۹۔ حضرت طلحہ رضؓ بن ابراء انصاری

جب آپ کا آخری وقت نزدیک آیا تو آپ سخت بیمار ہو گئے حتّٰی کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کے قابل نہ رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؐ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ان کی حالت دیکھ کر آپؐ کو یقین ہو گیا کہ ان کا جانبر ہونا ناممکن ہے اس لئے واپسی پر ان کے لواحقین سے علحدگی میں فرمایا کہ طلحہ کے جانبر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے جب وہ فوت ہو جائیں تو مجھے خبر کرنا میں خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھاؤں گا۔ اور ان کی تکفین و تدفین میں تاخیر نہ کرنا کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مشرکوں کے درمیان ایک مومن کی میت پڑی رہے۔

رات کے وقت جب حضرت طلحہؓ کا آخری وقت آ گیا تو آپؓ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا "مجھے تم خود ہی جلد دفن کر دینا۔ تاکہ میں اپنے ربّ سے جلد مل سکوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے مبادا راستہ میں یہود کوئی تکلیف پہنچائیں یا کوئی جانور آپ کے لئے تکلیف کا باعث ہو۔"

اس وصیّت کے بعد ان کی زندگی کا چراغ بجھ گیا اور گھر والوں نے راتوں رات ہی انہیں دفن کر دیا۔ صبح کو جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے نماز جنازہ پڑھی اور ہاتھ اٹھا کر اللہ کی بارگاہ میں دُعا کی۔

"اے اللہ طلحہؓ سے اس طرح مل کہ تو اس سے اور وُہ تجھ سے ہنستے ہوئے ملیں" یعنی اللہ پاک خوش ہوں کہ میرا پیارا بندہ آ گیا۔

اور طلحہؓ خوش ہوں کہ اپنے خالق سے ملاقات ہو گئی۔

۳۰ ۔ حضرت زیدؓ بن وثنہ انصاری

مقام رجیع پر شہید ہونے والے مبلغین کے ساتھ آپ بھی تھے مشرکین نے آپ کو مکہ مکرمہ اُمیّہ بن خلف کے بیٹے صفوان کے پاس پچاس اونٹوں کے عوض فروخت کر دیا۔ کیونکہ صفوان کا باپ اُمیّہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا اس کا انتقام

لینے کے لیے حضرت زیدؓ کو حاصل کیا گیا تھا۔ مقررہ دن پر انہیں مکہ کے پاس مقام تنعیم میں لے گئے جہاں ان کے دوسرے ساتھی حضرت خبیبؓ موجود تھے۔ دونوں گلے ملے اور ایک دوسرے کو تسلی دی انہیں بھی مشرکین قتل کرنے کے لئے وہاں لائے تھے۔

جب حضرت زیدؓ کو سولی پر چڑھانے لگے تو ابوسفیان نے ان سے مخاطب ہو کر کہا!

"اے زید۔ تجھ کو خدا کی قسم۔ سچ سچ بتانا۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن ماردی جائے اور تم اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہو۔"

جواب میں آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔"

مشرکین حیران رہ گئے۔ اور ابوسفیان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی جس قدر محبت ان سے کرتے ہیں دنیا میں اور کسی شخص کے ایسے شیدائی نہیں ہیں۔"

اس کے بعد ظالموں نے حضرت زیدؓ کو سولی پر چڑھا دیا اور ان کے مقدس جسم کو نیزوں کی انیوں سے چھید ڈالا۔

۳۱ - حضرت عمیرؓ بن حمام انصاری

غزوہ بدر کے موقع پر لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اللہ پاک کی قسم۔ کہ جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے جو کوئی رضائے الٰہی کی خاطر دشمنانِ حق سے لڑ کر مارا جائے گا اسے بہشت نصیب ہوگی۔"

حضرت عمیر رضؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُنا تو وہ اپنی صف سے نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے بڑے ادب سے کھڑے ہوگئے اور عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ - اللہ کی راہ میں شہید ہونے پر کیا وہی جنت ملے گی جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کا طول و عرض آسمان اور زمین کی پہنائی کے برابر ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا "ہاں۔ وہی جنّت جس کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے یہ سن کر حضرت عمیر رضؓ کی زبان پر بے اختیار بخ بخ (واہ - واہ) کے الفاظ آگئے اور انہوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسولؐ کیا میں بھی اس جنّت کا حق دار ہو سکتا ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ضرور اس جنّت میں داخل ہوگے" اس وقت حضرت عمیر رضؓ کھجوریں کھا رہے تھے جونہی آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور بولے:

"مجھ پر اب اتنا وقفہ بھی شاق ہے جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں میرے اور جنّت کے درمیان اب کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔"

پھر تلوار چلاتے ہوئے مشرکین کی صفوں میں گھس گئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

۳۲ - حضرت ابوذر غفاری رضؓ

آپ آخری عمر میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضؓ کے حکم کی تعمیل میں صحرائے عرب کے ایک چھوٹے سے گاؤں ربذہ میں رہا کرتے تھے ۳۱ھ یا ۳۲ھ کے ایامِ حج میں آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے آپ کے ساتھ صرف آپ کی اہلیہ اور ایک لڑکی موجود تھیں جب نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو آپ کی اہلیہ رونے لگیں آپ نے نحیف آواز میں پوچھا "تم کیوں روتی ہو۔"

اہلیہ نے جواب دیا "آپ ایک ویرانہ میں دم توڑ رہے ہیں نہ میرے پاس اتنا کپڑا ہے کہ آپ کو کفن دے سکوں نہ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ آپ کی قبر تیار کر سکوں۔"

آپ نے فرمایا "سنو - ایک دن ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ایک شخص صحرا میں جاں بحق ہوگا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت باہر سے آکر شرکت کرے گی۔ اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ سب شہری آبادیوں میں وفات پا چکے ہیں۔ اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی مجھ پر صادق نہ آئے۔ تم باہر جا کر دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور ہوگی۔

پاس ہی ایک ٹیلہ تھا حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ اس پر چڑھ کر انتظار کرنے لگیں تھوڑی دیر بعد دور گرد اڑتی ہوئی نظر آئی پھر اس میں سے چند سوار نمودار ہوئے جب قریب آئے تو آپ کی زوجہ نے انہیں بلا کر کہا:

"بھائیو قریب ہی ایک مسلمان سفر آخرت کی تیاری کر رہا ہے اس کے کفن دفن میں میرا ہاتھ بٹاؤ" قافلے والوں نے پوچھا "وہ کون شخص ہے" جواب دیا "ابوذر غفاریؓ"

حضرت ابوذرؓ کا نام سنتے ہی قافلے والے بے تاب ہو گئے اور "ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں" پکارتے ہوئے ان کی طرف لپکے۔

ادھر ابوذرؓ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا "بیٹی۔ ایک بکری ذبح کر اور گوشت کی ہنڈیا چولھے پر چڑھا دے۔ کچھ مہمان آنے والے ہیں جو میری تجہیز و تکفین کریں گے جب وہ مجھے سپرد خاک کر چکیں تو ان سے کہنا کہ ابوذرؓ نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے۔

کہ جب تک آپ یہ گوشت نہ کھالیں یہاں سے رخصت نہ ہوں۔"

جب قافلے والے حضرت ابوذرؓ کے خیمہ میں داخل ہوئے تو ان کا دم واپسیں تھا۔ اکھڑی ہوئی آواز میں فرمایا "تم لوگوں کو مبارک ہو کہ تمہارے یہاں پہنچنے کی خبر سالہا سال پہلے ہادیٔ برحق نے دی تھی۔ میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ :

"مجھے کوئی ایسا شخص نہ کفنائے جو حکومت کا عہدہ دار ہو یا رہ چکا ہو۔" اتفاق سے اس قافلہ میں ایک انصاری نوجوان کے سوا سب لوگ کسی نہ کسی صورت میں حکومت سے متعلق رہ چکے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا :

"اے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب رفیق میں آج تک حکومت کی ملازمت سے بے تعلق ہوں۔ میرے پاس دو کپڑے ہیں جو میری والدہ کے ہاتھ کے کاتے اور بُنے ہوئے ہیں اجازت ہو تو ان میں آپ کو کفنا دوں۔"

حضرت ابوذرؓ نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر بسم اللہ، وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہہ کر جان اللہ کے حوالے کر دی۔

مسلمانوں کی اس جماعت میں عبداللہ ابنِ مسعودؓ بھی تھے جنازہ انہوں نے پڑھایا اور پھر سب نے انہیں سپردِ خاک کیا۔

جب چلنے لگے تو حضرت ابوذرؓ کی بیٹی نے قسم دیکر انہیں کھانا کھلایا۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ ان ماں بیٹی کو اپنے ساتھ مکّہ لے آئے اور امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے حوالے کر دیا

۳۳ - حضرت حُذیفہؓ بن یمان

زندگی کے آخری دنوں میں اکثر استغفار اور گریہ و بکا میں مصروف رہتے تھے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا :

"مجھے دُنیا سے جدائی کا غم نہیں ہے میں تو موت کا خیر مقدم کرتا ہوں میرا

رونا آخرت کے خوف سے ہے معلوم نہیں وہاں میرے ساتھ کیا پیش آئے"۔

نزع کے وقت یہ الفاظ زبان پر تھے ۔

"الٰہی اپنی ملاقات میرے لئے مبارک کرنا کہ میں دنیا و مافیہا کی ہر شئے سے زیادہ تجھے محبوب رکھتا ہوں"۔

۳۴ - حضرت خبابؓ بن اَرَت

آپ ۳۷ھ میں شدید بیمار ہوئے پیٹ میں کوئی تکلیف تھی جس کے علاج کے لئے پیٹ کو سات جگہ سے داغا گیا اس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی اور فرمایا:

"اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنی موت کی دعا کرتا"۔

اس نازک حالت میں کچھ لوگ عیادت کے لئے آئے۔ اور اثنائے گفتگو میں کہا

"ابو عبداللہ آپ خوش ہو جائیں۔ کہ دنیا چھوڑنے کے بعد حوضِ کوثر پر اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات کریں گے"۔

یہ سن کر ان پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا :

واللہ میں موت سے نہیں گھبراتا تم نے ان ساتھیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے دنیا میں کوئی اجر نہ پایا۔ آخرت لیں انہوں نے یقیناً اجر پا لیا ہوگا۔ لیکن ہم ان کے بعد رہے اور دنیا کی نعمتوں سے اس قدر حصہ پایا کہ ڈر ہے کہیں وہ ہمارے اعمال کے ثواب ہی میں شامل نہ کر لیا جائے"۔

وفات سے کچھ دیر پہلے ان کے سامنے کفن لایا گیا تو اشکبار ہو کر بڑی حسرت سے فرمایا:

"یہ تو پورا کفن ہے افسوس کہ حمزہؓ کو ایک چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا جو ان کے سارے بدن کو بھی نہیں ڈھانک سکتی تھی۔ پیر ڈھانکے جاتے

توسر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے آخر ہم نے ان کے
پاؤں کو اذخر سے ڈھانک کر کفن پورا کیا"

پھر انہوں نے وصیت کی کہ میری قبر شہر کی بجائے باہر کھلے میدان میں بنانا اس کے بعد اپنی جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر بہتر سال تھی۔

۳۵ - حضرت عثمان رضؓ بن مظعون

سنہ ۲ھ کے آخر میں بیمار ہوئے اور اس مرض میں رحلت فرما گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی خبر ملی تو آپ ان کے پاس حضرت ام العلا انصاریہؓ کے گھر تشریف لے گئے یہاں حضرت عثمان رضؓ کی میت موجود تھی۔ آپؐ نے تین بار جھک کر میت کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

"ابو السائب میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ تم دنیا سے اس طرح جدا ہوئے
کہ تمہارا دامن ذرہ برابر اس سے آلودہ نہ ہونے پایا"

لوگوں نے آپؐ سے دریافت فرمایا کہ ان کو کہاں دفن کیا جائے تو آپؐ نے تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد فرمایا ان کی قبر بقیع میں کھودو (اس وقت تک مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا۔)

ام العلاؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میت کو مخاطب کر کے کہا:

"ابو السائب تم پر خدا کی رحمت ہو۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے
تمہیں معزز کیا"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اگرچہ خود حضرت عثمان رضؓ بن مظعون سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے۔ لیکن آپ نے ارشاد فرمایا:

"ام العلا رضؓ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟"

اُنہوں نے عرض کیا :

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ۔ اللہ تعالیٰ ابوالسائب جیسے آدمی کو عزّت نہ دے گا تو اور کسے دے گا ؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"بلاشبہ عثمان اخلاص کے انتہائی درجے (تعیّن) پر فائز تھا۔ اور مجھے اس کے لئے اللہ سے بہتری کی اُمید ہے لیکن خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہو کر بھی (از خود) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئیگا۔"

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں کو یہ سمجھانے کے لئے تھا کہ مسلمان کی موت پر اس کی آخرت کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہ کہو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو بظاہر بہت نیک تھا اللہ تعالیٰ اس کے کسی فعل پر گرفت کرے۔ جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہوا۔ اس طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو بظاہر بہت بدکار تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کی کسی خاص نیکی کو قبول کر کے اس کی مغفرت فرما دے اس لئے ہمیں خود کسی شخص کے جنتی یا جہنمی ہونے پر شہادت نہیں دینی چاہیئے۔

آپ کی نمازِ جنازہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود پڑھائی اور تدفین کے بعد قبر کے سرہانے ایک پتھّر نصب کر کے فرمایا :

"آج سے میں بقیع کو مسلمانوں کا قبرستان قرار دیتا ہوں۔ آئندہ جو مسلمان مدینہ میں سفرِ آخرت اختیار کریگا وہ یہیں دفن ہوگا۔"

۳۶ - حضرت سعدؓ بن معاذ

غزوہ احزاب کے دوران آپ کے بازو کی ایک رگ میں دشمن کا تیر لگا جس کی وجہ سے خون کثیر مقدار میں بہہ گیا۔ یہ زخم ٹھیک ہو گیا لیکن اندر سے ابھی کچّا ہی تھا کہ اس علالت کے دوران آپ نے ایک روز اللہ پاک سے دُعا کی۔

"یا اللہ اگر قریش سے لڑائیوں کا سلسلہ باقی ہو تو مجھے اور مہلت دے دے
میں ان لوگوں سے لڑنے کا متمنّی ہوں۔ جنہوں نے تیرے رسولؐ برحق کو
ستایا۔ جھٹلایا اور وطن سے نکال دیا۔ اور اگر لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا ہے تو
اس زخم سے مجھے شہادت نصیب کرالیتہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ
جب تک کہ بنو قریظہ کے معاملے میں میرا دل مطمئن نہ ہو جائے۔"

بنو قریظہ کا فیصلہ بھی آپ نے ان کی اس درخواست پر کیا تھا کہ ہمیں سعدؓ کا
فیصلہ منظور ہے آپ نے فرمایا:

"تو میں یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ ان کے لڑنے والے تمام مرد قتل کئے جائیں۔
عورتوں اور بچّوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے املاک مسلمانوں میں تقسیم
کردیئے جائیں۔"

چنانچہ ان کے سامنے اس فیصلہ پر مسلمانوں نے عمل درآمد کیا۔ اس فیصلے کے چند
روز بعد آپ کا بازو والا زخم پھٹ گیا اور خون کثرت سے بہنے لگا جب ان پر نزع کا
عالم طاری ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی اطلاّع ملی۔ تو آپ نہایت
مضطرب ہو کر ان کے پاس پہنچے۔ حضرت سعدؓ کے چند سانس باقی تھے۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور فرمایا:

"الہٰی تیری راہ میں سعدؓ نے بڑی زحمت اٹھائی۔ اس نے تیرے رسولؐ
کی تصدیق کی۔ اور حقوقِ اسلام کو ادا کیا۔ بارِ الہٰا اس کی روح کے ساتھ
ویسا ہی معاملہ کر جیسا کہ اپنے دوستوں کی رُوح کے ساتھ کرتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت سعد کی سانس بند ہو گئی اور کہرام مچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔

جب آپ کا جنازہ لے کر بقیع کی طرف روانہ ہوئے تو کسی نے کہا کہ جنازہ بہت

ہلکا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ہاں فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے ابو سعید خدری رضؓ قبر کھود رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ واللہ مجھے اس میں سے مشک کی خوشبو آرہی ہے تدفین کے بعد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک آنکھیں اشکبار تھیں اور آپؐ فرما رہے تھے

"مرنے والے کی موت پر عرش رحمٰن لرز اٹھا۔ آسمانوں کے دروازے اس کی روح کے لئے کشادہ کر دیئے گئے۔ اور ستّر ہزار فرشتے اس کے جنازے میں شریک ہوئے۔"

۳۷ - حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ

رومیوں کے خلاف جنگوں میں آپ بھی شامل تھے۔ اور مسلمانوں کے لشکر نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ کو اسہال کی بیماری لاحق ہو گئی آپ بہت عمر رسیدہ بھی تھے جب زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو امیر لشکر یزید بن امیر معاویہ آپ کی عیادت کے لئے آیا:

کہا "آپ کی کوئی وصیّت ہو تو فرمائیے۔"

آپ نے فرمایا:

"جب میں مر جاؤں۔ تو مسلمانوں کو میرا سلام پہنچا دینا اور ان کو بتا دینا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں انتقال کر جائے کہ ربّ واحد کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنّت نصیب کرے گا۔

اور میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جہاں تک تم لے جا سکتے ہو۔ لے جا کر دفن کر دینا۔"

۳۸ - حضرت خبیب رضؓ بن عدی:

گزشتہ صفحات میں ہم حضرت زید رضؓ بن دثنہ کی شہادت کا ذکر کر چکے ہیں ان کے ساتھ ہی حضرت خبیب رضؓ کو بھی شہید کیا گیا تھا۔ آپ کو جب سُولی پر چڑھانے لگے تو مشرکین نے پوچھا

کہ کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ آپ نے فرمایا:

"میری اور کوئی خواہش نہیں ہے البتہ یہ چاہتا ہوں کہ دو رکعت نماز کی مہلت دے دو۔"

مشرکین نے کہا "پڑھ لو"

آپ فوراً نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور جب دو رکعت پوری ہو گئیں تو فرمایا:

میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا لیکن سوچا کہ تم لوگ سمجھو گے خبیب رض موت سے ڈر گیا اور قتل کا وقت ٹال رہا ہے۔"

اس کے بعد آپ سولی کے نیچے جا کر کھڑے ہو گئے اور فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

(ترجمہ) لوگ جوق در جوق میرے گرد جمع ہو رہے ہیں. بڑے بڑے گروہ میرے قتل کا تماشہ دیکھنے کھڑے ہیں۔

یہ تمام لوگ مجھ سے عداوت نکال رہے ہیں اور جوش میں بپھرے ہوئے ہیں میں اس قتل گاہ میں دست و پا بستہ کھڑا ہوں. قبائل اپنی عورتوں اور بچوں کو میرے قتل کا تماشا دکھانے لائے ہیں۔

لوگ مجھے ایک اونچی لکڑی کے پاس لائے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ اسلام کو چھوڑ دینے سے تیری جان بچ سکتی ہے لیکن دین چھوڑنے سے مرجانا بہتر ہے۔

میری آنکھیں نمناک ہیں لیکن میں صبر کرونگا اور دشمن کے سامنے نہ جھکوں گا کیونکہ میں وصل حق سے شادکام ہونے والا ہوں۔"

موت کا مجھے ڈر نہیں ڈر ہے تو جہنم کی شعلہ بار خون چوسنے والی آگ کا عرشِ اعلیٰ کے مالک نے مجھ سے خدمت لی۔ اور مجھے صبر و ضبط کی ہدایت فرمائی ہے:

دینِ حق کے دشمنوں نے مار مار کر میرے گوشت کا بھرتہ بنا دیا ہے میں اپنی غریب الوطنی

اور بیکسی کی فریاد اپنے خالق سے کرتا ہوں۔
واللہ جب میں اللہ کی راہ میں جان دے رہا ہوں۔ تو مجھے پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر گرتا ہوں۔ اور کیسے جان دیتا ہوں۔
ذاتِ باری تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے ہر ٹکڑے پر برکت نازل کرے۔

یہ اشعار پڑھنے کے بعد انہوں نے دُعا مانگی
"الہٰی ہم نے تیرے رسول کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا تو اپنے رسولِ برحق کو ہمارے حال کی خبر کر دے"۔
یہ دعا مانگ کر انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اور اس وقت ان کی زبان پر بے اختیار یہ بد دُعا آ گئی۔
"اے اللہ ان میں سے ہر ایک پر اپنا قہر نازل کر اور ان کو پراگندہ کر کے ہلاک کر۔ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔"
مشرکین آپ کی اس بد دعا سے بہت بدحواس ہوئے۔
اس بد دعا کے بعد آپ نے پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا مشرکین نے آپ کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر اس میں ناکام رہے ظالموں نے پھانسی کا رسہ کھینچا اور ان کا منہ قبلہ رُخ سے پھیر دیا اس وقت آپ کی زبان پر یہ آیت نازل ہو گئی۔
(ترجمہ) "تم جس طرف رُخ کرو اس طرف اللہ کی ذات موجود ہے"۔
بعض رِوائتوں میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر سلام بھیجا اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کی کہ ان کے حال کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو پہنچا دے۔

ظالموں نے اب آپ کے جسم پر نیزوں سے کچوکے لگانے شروع کر دیئے دفعتہً آپ کا مُنہ قبلہ کی طرف ہو گیا چند سانس باقی تھے آپ نے فرمایا :

"الحمد للہ کہ اس نے میرا مُنہ اپنے گھر کی طرف پھیر دیا"

آخر میں ایک مشرک نے آپ کے سینے میں اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کے پار ہو گیا اور آپ نے کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی جان اللہ کے حوالے کی۔

اللہ پاک نے آپ کے حال کی خبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی اور آپ نے فرمایا :

"خبیب رضؓ کو مشرکین نے شہید کر دیا اور جبریل میرے پاس ان کا سلام لائے ہیں۔"

آپ کی لاش سُولی پر لٹکتی رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے حضرت عمروؓ بن اُمیہؓ ضمری کو حضرت خبیب رضؓ کی لاش لانے کا حکم دیا جو رات دن ایک کر کے ایک رات تنعیم میں پہنچے اور درخت پر چڑھ کر سُولی کی رسّی کاٹی تو لاش زمین پر گر پڑی۔ لیکن جب حضرت عمرو رضؓ درخت سے نیچے اُترے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کی لاش غائب تھی۔

وہ حیران ہو کر بولے :

"کیا زمین نگل گئی۔

۳۹ - حضرت ابو سلمہ رضؓ

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابو سلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد مخزومی پہلے مسلمان تھے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اسی طرح ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ پہلی خاتون تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ حضرت ابو سلمہ رضؓ کو جنگِ اُحد میں ایک مشرک ابو اسامہ جسمی نے تاک کر زہر میں بجھا ہوا تیر ان کے بازو میں مارا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ ایک ماہ کے علاج معالجہ کے بعد بظاہر تندرست ہو گئے۔ لیکن زہر اندر ہی اندر

اپنا کام کرتا رہا۔

۳ھ کے آخر میں ابو سلمہؓ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ قطن میں سالار لشکر بنا کر بھیجا جسے آپ نے بڑی بہادری سے سر کر لیا۔ لیکن اس کے بعد آپ کا جنگِ اُحد والا زخم پھر تازہ ہو گیا اور روز بروز بگڑتا ہی گیا۔ حتیٰ کہ آپ کی حالت بگڑ گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے کئی بار تشریف لے گئے۔ جمادی الآخر ۴ھ کے شروع میں ہی ان پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپؐ فوراً ان کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے آپؐ کی طرف دیکھتے ہی دیکھتے آخری سانس لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اِن کی آنکھیں بند کیں اور فرمایا :

”انسان کی روح جس وقت بدن سے جُدا ہوتی ہے تو آنکھیں اس کے دیکھنے کے لئے کھلی رہ جاتی ہیں“

اس وقت ان کی اہلیہ اُمِّ سلمہؓ فرطِ غم سے نڈھال تھیں اور بار بار کہتی تھیں :

”ہائے ہائے غربت میں کیسی موت آئی ہے۔“

حضورِ اکرمؐ نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور ہدایت کی کہ ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو :

”اے اللہ مجھے ان سے بہتر ان کا جانشین دے“

اس کے بعد آپؐ نے خود ابو سلمہؓ کے لئے دُعائے مغفرت مانگی اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی تو خلافِ معمول نو تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپؐ نے نو تکبیریں کیسے کہیں کیا سہو تو نہیں ہوا ؟ تو آپؐ نے فرمایا :

”نہیں۔ بلکہ یہ تو ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔“

حضرت ابو سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"کہ جو مسلمان مصیبت کے وقت (سچے دل سے) اللہ کے دَر پر جھکتا ہے اور یہ دُعا کرتا ہے کہ الٰہی اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما۔ تو اللہ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے۔"

۴۰۔ حضرت ابو عامر اشعری رضؓ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے حضرت ابو عامر اشعری رضؓ کے آخری لمحات کا یہ واقعہ بیان کیا ہے:

"جب ہم لوگوں نے حُنین کے بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور مقام اوطاس میں ان کو جا لیا تو فریقین میں (خونریز) لڑائی شروع ہو گئی۔ اثنائے جنگ میں بنی جثیم کے ایک شخص نے ابو عامر کے زانو (یا گھٹنے) پر تیر مارا۔ وہ (شدید زخمی ہو کر) زمین پر گر پڑے میں ان کے پاس گیا اور پوچھا، یا عمّ (چچا جان) آپ کو کس نے تیر مارا؟ انہوں نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا، وہ شخص ہے، میں فوراً اس تیر افگن کی طرف لپکا وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا میں بھی اس کے پیچھے دوڑتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کیا تجھے شرم نہیں آتی، مردوں کے مقابلہ سے بھاگتا اور مقابلہ سے جی چراتا ہے آخر وہ غیرت کھا کر رک گیا اور تلوار نکال کر میرے مقابل ہوا۔ میں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر میں واپس آیا اور ابو عامر کو خوشخبری دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو ہلاک کر ڈالا تیر ابھی تک ابو عامر کے زانو (یا گھٹنے) میں پیوست تھا۔ انہوں نے کہا میرے زانو (گھٹنے) سے تیر نکالو۔ تیر نکالتے ہی ابو عامر رضؓ کے زخم سے خون کا فوارہ اچھلا) اور اس قدر خون نکلا کہ ان کے جسم میں کچھ نہ رہا اور زخم سے پانی بہنے لگا) حضرت ابو عامر رضؓ کو جانبری کی اُمید نہ رہی تو انہوں نے مجھ سے کہا، میرے بھتیجے میرا سلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر عرض کرنا اور آپؐ سے میری مغفرت کے لئے دعا کرنے کی استدعا کرنا پھر انہوں نے علم امارت میرے ہاتھ میں دیا اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اوطاس کی جنگ میں اللہ نے ہمیں فتح عطا کی واپس (مدینہ منورہ) آکر میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لڑائی کا سارا حال بیان اور ابو عامرؓ کا سلام اور پیغام بھی آپؐ کی خدمت میں عرض کیا رسول اللہؐ نے اسی وقت پانی منگوا کر وضو فرمایا، دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

اے اللہ! ابو عامر کی مغفرت فرما اور قیامت کے دن اپنی مخلوق میں اس کو سر بلند فرما:

اس کے بعد میں نے اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے یوں دعا کی، اے اللہ! عبداللہ بن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا جنت میں باعزت داخلہ فرما۔"

۴۱۔ حضرت ابو ہاشم عبشمی

حضرت ابو ہاشم پر خشیت الٰہی کا بہت غلبہ تھا مسلمانوں کا مال و دولت دیکھ کر رو دیا کرتے تھے۔ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو ان کے بھانجے حضرت معاویہؓ خبر گیری کے لئے آئے۔ حضرت ابو ہاشمؓ رونے لگے۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا، ماموں جان آپ روتے کیوں ہیں بیماری کی تکلیف ہے یا دنیا چھوڑنے کا غم؟ فرمایا ان میں سے کوئی بات نہیں، میں اس بات پر روتا ہوں کہ میرے پاس دنیا کا بہت سا سامان اور اسباب جمع ہے حالانکہ رسول اللہؐ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ ابو ہاشم ہو سکتا ہے تم اس وقت تک زندہ رہو۔ جب مسلمانوں کے پاس دولت کی ریل پیل ہو گی اس زمانے میں تمہارے لئے جہاد فی سبیل اللہ

کے لئے ایک سواری اور ایک خادم کافی ہے۔

۴۲ - حضرت ربیع رضؓ بن زیاد حارثی

ابنِ خلدون رحؒ نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

"جب ربیع بن زیاد (جو حضرت امیر معاویہ رضؓ کی طرف سے خراسان کے گورنر تھے) کو خراسان میں حجر رضؓ بن عدی کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کے بعد عرب اسی طرح بے گناہ باندھ کر قتل کئے جاتے رہیں گے۔ اگر وہ اس فعل پر احتجاج کرتے تو وہ اس انجام سے اپنے آپ کو بچا لیتے لیکن انہوں نے اس قتل کو گوارا کر لیا اس لئے ذلیل ہو گئے پھر اس خبر کے چند دن کے بعد انہوں نے جمعہ کے بعد لوگوں سے کہا میں اب اس زندگی سے اکتا گیا ہوں اور میں دعا مانگنے لگا ہوں پس اس پر آمین کہو پھر انہوں نے ہاتھ اٹھائے اور کہا، اے اللہ اگر میرے لئے تیرے پاس بھلائی ہے تو مجھے اپنے ہاں جلدی بلائے۔ لوگوں نے آمین کہی، پھر وہ مسجد سے نکلے اور اپنے کپڑے بھی سنبھالنے نہیں پائے تھے کہ گر پڑے۔ لوگ انھیں اٹھا کر گھر لے گئے اور اُسی دن وہ فوت ہو گئے۔

۴۳ - حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن معاذ رضؓ انصاری

یرموک کے بعد شام میں کئی اور معرکے پیش آئے۔ حضرت معاذ رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن رضؓ ان سب میں شریک رہے۔ یہاں تک کہ سارا شام فتح ہو گیا۔ اسی زمانے (۱۸ھ) میں شام میں طاعون (پلیگ) کی خوفناک وبا پھوٹ پڑی جو تاریخ میں "طاعون عمواس" کے نام سے مشہور ہے۔ ہزاروں مجاہدین اس وبا میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے ان میں سپہ سالارِ شام حضرت ابو عبیدہ رضؓ بن الجراح بھی شامل تھے انھوں نے اپنی وفات سے پہلے حضرت معاذ رضؓ بن جبل کو اپنا جانشین بنایا۔ وہ حضرت ابو عبیدہ کی تدفین

سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓو بن العاص نے انہیں مشورہ دیا کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیئے۔ حضرت معاذؓ کے نزدیک ایسا کرنا تقدیرِ الٰہی سے بھاگنے کے مترادف تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص سے اتفاق نہ کیا اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ مسلمان شام کو فتح کریں گے۔ پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی۔ جو اس میں مرے گا۔ وہ شہید ہوگا اور اس کا نامۂ اعمال پاک ہو جائے گا۔ خداوندا، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے تو یہ رحمت میرے گھر میں بھیج اور مجھ کو اس میں کافی حصّہ دے۔"

خطبہ کے بعد خیمے میں آئے تو اپنے محبوب فرزند عبدالرحمٰنؒ کو بیمار پایا بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لے کر ان کو نصیحت کی "اے بیٹے یہ اللہ کی طرف سے ہے دیکھنا اس میں کوئی شبہ تمہارے دل میں پیدا نہ ہو۔"

بیٹے نے جواب دیا "ابا جان، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے یہ کہہ کر پیک اجل کو لبیک کہا: اس کے بعد جلد ہی بعد حضرت معاذؓ بن جبل بھی اس بیماری میں مبتلا ہو کر خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔

۴۴۔ حضرت نعمانؓ بن مقرنؓ:

حضرت نعمانؓ طرز سے روانہ ہوئے اور منزل منزل چلتے ہوئے کسی مزاحمت کے بغیر نہاوند کے قریب پہنچ گئے۔ ایرانیوں نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنا مناسب سمجھا وہ جب بھی موقع پاتے، شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ مسلمانوں نے ایک دن ایسی تدبیر کی کہ سارا ایرانی لشکر شہر سے باہر آگیا اور فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت نعمانؓ زخم پہ زخم کھاتے دشمن

کے قلب لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان کا گھوڑا پھسل کر گرا اور وہ بھی زمین پر آ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں انہوں نے مجاہدین کو ہدایت کی مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں دشمنوں پر بڑھو۔ ان کے بجائے حضرت حذیفہ بن الیمان رضؓ نے علم سنبھالا اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے مگر ایرانی مسلمانوں پر سخت دباؤ ڈال رہے تھے۔ اس نازک گھڑی میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب اور طلیحہ رضؓ بن خویلد اس شان سے لڑے کہ دشمن کا منہ پھر گیا۔ طلیحہ رضؓ تو مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور عمروؓ بن معدی کرب زخموں سے چور چور ہو گئے تاہم مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ایک مجاہد حضرت نعمان رضؓ کے سرہانے گیا، اس وقت وہ نزع کے عالم میں تھے۔ نحیف آواز میں پوچھا۔ لڑائی کا انجام کیا ہوا؟ اس نے کہا، اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ فرمایا، اللہ کا شکر ہے، امیر المؤمنین رضؓ کو فوراً اپنی فتح کی اطلاع دو۔ یہ کہہ کر انہوں نے آخری ہچکی لی اور خلدِ بریں کو سدھار گئے۔ ادھر حضرت عمروؓ بن معدی کرب کو زخموں نے حرکت کے قابل نہ رکھا تھا۔ انہیں میدانِ جنگ سے اٹھا کر لایا گیا اور علاج شروع کیا گیا مگر روزہ نامی ایک قریہ میں ان کا وقتِ آخر آ پہنچا اور وہ تاجِ شہادت پہن کر اللہ کے حضور چلے گئے۔

۴۵ - حضرت قیس بن خرشہ

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت قیس رضؓ بن خرشہ حاکموں کے معاملے میں بہت سخت اور بڑے حق گو تھے۔ بنو امیہ کے زمانے میں زیاد اور اس کے بیٹے عبیداللہ کی سخت گیریوں سے وہ سخت نالاں تھے اور ان پر کھلے بندوں اعتراض کیا کرتے تھے۔ عبیداللہ ابنِ زیاد پر ان کی نکتہ چینی بہت گراں گزرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے ان کو بلا کر کہا:

"تم رسول اللہ صلعم پر افترا کرتے ہو۔"

حضرت قیسؓ نے فرمایا:

"خدا کی قسم ہرگز نہیں میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو میں اس شخص کا شخص کا نام بتا دوں جو ایسا کرتا ہے۔

عبید اللہ نے کہا "بتاؤ"

انہوں نے کہا۔ وہی شخص جس نے کتاب اللہ اور رسول اللہؐ پر عمل کرنا چھوڑ دیا:

عبید اللہ نے پوچھا: وہ کون ہے:؟

حضرت قیسؓ نے فرمایا: "تم اور تمہارا باپ اس موقع پر یا کسی اور موقع پر عبید اللہ نے ان سے کہا تم کہتے ہو کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا انہوں نے کہا، بے شک میرا یہی خیال ہے۔

عبید اللہ نے کہا؛ آج معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے قول میں جھوٹے ہو۔ پھر اس نے جلاد کو بلانے کا حکم دیا۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ ابھی جلاد پہنچا نہیں تھا کہ حضرت قیسؓ جھکے اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یوں انہیں زندگی میں کوئی نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو سکا۔

۴۶۔ حضرت عمارؓ بن یاسر

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات شدید سے شدید تر ہوتے گئے یہاں تک کہ جنگ صفین شروع ہو گئی اس لڑائی میں بھی حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور بار بار کہتے جاتے تھے۔ الٰہی اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر پانی میں ڈوب کر یا آگ میں جل کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوتا تو میں ہر طریقے سے تجھے خوش کرتا۔ اب میں لڑنے جا رہا ہوں۔ تو اس میں بھی تیری رضاجوئی مقصود ہے: امید ہے کہ تو اس مقصد میں مجھے ناکام نہ کرے گا۔"

اس وقت ان کی عمر نوّے برس سے اوپر تھی۔ لیکن جوش وجذبہ سے سرشار تھے۔ اور قویٰ مضبوط تھے اس لئے جنگ میں محیّر العقول شجاعت و مردانگی دکھائی جس طرف بھی رُخ کرتے تھے صفیں درہم برہم ہوجاتی تھیں ایک مرتبہ اثنائے جنگ میں امیر معاویہؓ کے علمبردار حضرت عمروؓ بن العاص پر نظر پڑی تو جوش غضب سے بے قرار ہوگئے اور زبان پر یہ الفاظ آگئے:

"میں اس علم بردار سے تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہم رکابی میں لڑ چکا ہوں۔ اب چوتھی بار اس کا سامنا کر رہا ہوں واللہ اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پیچھے دھکیل دیں تو پھر بھی میں یہی سمجھونگا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ غلطی پر۔"

ایک دن شام کے وقت جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ اور لڑائی پوری شدّت سے جاری تھی حضرت عمارؓ نے دودھ کے چند گھونٹ پیئے اور فرمایا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ آخری گھونٹ جو تم پیوگے دودھ کا ہوگا۔"

یہ فرماکر غنیم پر شیر کی طرح حملہ آور ہوئے اس وقت زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

"آج میں دوستوں سے ملونگا۔ آج میں اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت سے ملونگا۔"

حضرت ہاشمؓ بن عتبہ نے حضرت علیؓ کا علم اٹھا رکھا تھا۔ ان پر نظر پڑی تو کہا!

"اے ہاشم آگے بڑھو جنّت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے اور موت نیزوں کے کناروں پر۔ جنّت کے دروازے کھولے جا چکے ہیں اور حورانِ بہشتی مزیّن ہو چکی ہیں۔"

پھر اس بے جگری سے لڑے کہ شامی فوج کے پرے کے پرے صاف کر دیئے

بالآخر ایک شامی سپاہی نے انہیں نیزے سے مجروح کر کے زمین پر گرا دیا۔ اور دوسرے شامی نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا:

ان کی نمازِ جنازہ خود حضرت علیؓ نے پڑھائی تھی۔

۴۷ - حضرت ابو ہریرہؓ

۵۸ھ میں آپ سخت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ جانبر ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی لوگ عیادت کو آتے تو وہ اس حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے تاہم دنیا سے دل سرد ہو چکا تھا۔ حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الرحمٰنؓ عیادت کے لئے آئے اور ان کی صحت کے لئے دعا کی تو بولے:

"اے اللہ اب مجھے دنیا میں نہ لوٹا۔"

دو دفعہ یہ کلمات دہرائے پھر حضرت ابو سلمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ابو سلمہ۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ زمانہ دور نہیں جب لوگ موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ محبوب سمجھیں گے تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی مسلمان کی قبر پر گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش بجائے اس کے میں اس قبر میں مدفون ہوتا"

مرض الموت میں ایک دن رونے لگے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

"میں اس دنیا کی دلفریبیوں کے چھوٹ جانے پر نہیں روتا، میں تو اس لئے روتا ہوں کہ سفر طویل ہے اور زادِ راہ کم میں اس وقت جنّت و دوزخ کے نشیب و فراز میں ہوں۔ معلوم نہیں کس راستہ پر جانا پڑے"

مروان بن الحکم عیادت کے لئے آیا اور ان کی شفایابی کی دعا کی تو فرمایا:

"اے اللہ میں تیری ملاقات چاہتا ہوں۔ تو بھی میری ملاقات پسند کر"

جب آخری وقت آیا تو وصیت کی:

"میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔ جنازہ کے پیچھے آگ لے کر نہ چلنا اور جنازہ لے جاتے میں جلدی کرنا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ جب مومن کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور جب کافر یا فاجر کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔"

اس کے بعد انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت ان کی عمر ۷۸ سال تھی۔ آپ کی نمازِ جنازہ اس وقت کے امیر مدینہ ولید بن عتبہ نے پڑھائی تھی۔"

۴۸ - حضرت خالدؓ بن ولید

آپ نے وفات سے کچھ دیر پہلے بہت حسرت و یاس سے فرمایا:

"میں نے اپنی زندگی میں تقریباً تین سو (اور دوسری روایت کے مطابق ایک سو سے زائد) جنگیں لڑیں۔ میرے جسم کے ہر حصے میں تیروں تلواروں اور نیزوں کے زخم کے لگے ہوئے ہیں مگر شہادت نصیب نہ ہوئی۔ اور آج بستر پر اونٹ کی طرح جان دے رہا ہوں۔ خدا بزدلوں کو کبھی چین نصیب نہ کرے۔"

۴۹ - حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ

حجاج نے بیت اللہ شریف کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اور عبدالملک کی طرف سے بنو اُمیّہ کی فوجوں کا سالار تھا۔ آپ نے عبدالملک کی بیعت نہیں کی تھی نہ اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔ بلکہ حجاز اور گردونواح پر آپ کی حکومت تھی۔ حجاج کا یہ محاصرہ یکم ذی قعدہ ۷۲ھ سے سات ماہ تک جاری رہا۔ اس لئے شہریوں کی حالت قابلِ رحم ہو گئی تھی۔

آپ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آخری بار سلام کرنے

اوران سے الوداع ہونے کے لئے آئے اس وقت وہ مسجد الحرام میں تشریف فرماتھیں:
حضرت عبداللہ رضؓ نے عرض کیا:
"امّی جان محاصرے کو سات ماہ گزر چکے ہیں میرے فرزند زبیر اور گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب لوگ میرا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے پاس چلے گئے ہیں وہ مجھے بھی امان دینے کے لئے تیار رہے اور عبدالملک نے بھی وعدہ کیا ہے کہ جو طلب کروگے وہ دے گا۔ فرمائیے ایسی حالت میں آپ کا کیا حکم ہے۔"
حضرت اسماءؓ: بیٹے تم اپنے معاملے کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو اگر تم حق پر ہو تو جاؤ جس راہ میں تمہارے ساتھیوں نے جانیں دیں تم بھی اس راہ پر چل کر جان دے دو اور اگر تم ناحق لڑے تو بہت برا کیا۔ مسلمانوں کا خون بہایا ساتھیوں کی جانیں گنوائیں اور خود بھی ہلاک ہوئے:
حضرت عبداللہ: اماں جان میں حق وصداقت کے لئے لڑا۔ اور حق وصداقت کے لئے ساتھیوں کو لڑایا۔ صرف بدلی ہوئی صورتِ حال سے آپ کو آگاہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔
حضرت اسماءؓ: اگر تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو اور اب حامیوں کے نہ ہونے اور حالات کی ناسازگاری کے باعث دشمنوں کے سامنے جھکنا چاہتے ہو تو یہ شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں:
حضرت عبداللہ: اماں جان میں موت سے نہیں ڈرتا صرف یہ خیال ہے کہ دشمن میری موت کے بعد میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے انہیں سولی پر لٹکائیں گے۔
حضرت اسماءؓ: بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں اسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسہ کر کے

نکلو۔ موت کے خوف سے غلامی کی ذلّت قبول نہ کرنا۔ خدا کی قسم عزت کی موت ذلّت کی حکومت سے اچھی ہے اور راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہونا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے

اپنی جلیل القدر والدہ کے یہ حوصلہ افزا کلمات سن کر حضرت عبداللہ رضؓ پر رقت طاری ہو گئی آپ نے فرطِ محبت سے ان کا سر چوم لیا اور کہا:

"امی جان - میرا بھی یہی ارادہ تھا۔ کہ حق کی راہ میں لڑکر جان دوں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کی رائے بھی لے لوں تاکہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج وغم نہ کریں۔ الحمد للہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم پایا۔ آپ کی باتوں نے میرے ایمان کو طاقت اور میرے ایقان کو تقویت عطا کی ہے۔ میں آج ضرور قتل ہو جاؤنگا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے قتل کے بعد بھی اسی طرح صبر و شکر سے کام لیں گی بخدا میں نے کبھی برائی کو پسند نہ کیا کسی مسلمان پر ظلم نہ کیا نہ کوئی عہد توڑا۔ نہ امانت میں خیانت کی اگر میرے کسی عامل نے بے جا ظلم کیا تو میں نے اس کی حوصلہ شکنی کی بجز رضائے الٰہی کے مجھے کسی شے کی خواہش نہیں۔"

پھر انہوں نے آسمان کی جانب نگاہ کی اور کہا:

"اے اللہ میں نے یہ باتیں از راہِ فخر نہیں کیں بلکہ اپنی والدہ کے اطمینان کے لئے کہی ہیں۔"

حضرت اسماء رضؓ نے فرمایا جاؤ بیٹے اللہ کی راہ میں جان دو انشاء اللہ میں صابر وشاکر رہونگی اب آگے آؤ تاکہ میں آخری بار تمہیں پیار کر لوں۔

حضرت عبداللہ آگے بڑھے اور حضرت اسماء رضؓ نے انہیں گلے لگایا۔ ان کا ہاتھ حضرت عبداللہ رضؓ کی زرہ پر پڑا (آپ نابینا ہو چکی تھیں) تو پوچھا بیٹے یہ تمہارے جسم پر کیا ہے؟

حضرت عبد اللہ اماں جان یہ زرہ ہے تاکہ دشمن کی تلوار اور حربہ سے بچاؤ ہو۔

حضرت اسماءؓ بیٹے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔

ابن زبیرؓ نے اسی وقت زرہ اتار دی اور خود بھی اتار کر پھینک دیا پھر معمولی لباس پہن لیا اور سر پر سفید رومال باندھ لیا۔ والدہ کو بھی اس سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا :

"اب میں خوش ہوں جاؤ اللہ کے راستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ۔"

ماں سے رخصت ہو کر حضرت عبداللہؓ نے قمیص کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھ لیے دونوں آستینیں چڑھا لیں اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ کر جنگ کی جگہ پر پہنچے اس وقت گنتی کے چند فداکار آپ کے ساتھ تھے جن میں آپ کا ایک فرزند زبیرؓ ایک پہلو میں اور ابن صفوان دوسرے پہلو میں تھے ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھی جس طرف رُخ کرتے تھے شامیوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتی تھیں ابن زبیرؓ اگرچہ ۷۲ سال کی عمر کے تھے لیکن شجاعت اور بے خوفی میں اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں ہاتھوں سے تلواریں چلاتے دشمن کی صفوں میں دور تک گھس گئے اور پھر پلٹ کر اپنے ساتھیوں سے آملے۔ ان کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تو کسی نے ان سے کہا آپ اجازت دیں تو میں کعبہ کا دروازہ کھول دوں۔ تاکہ آپ اس میں داخل ہو جائیں اور دشمن کی زد سے محفوظ ہو جائیں اس وقت آپ کی زبان پر یہ رجز جاری ہوگی۔

ترجمہ "میں ذلت اختیار کر کے زندگی کو مول لینے والا نہیں اور موت کے ڈر سے سیڑھیوں پر چڑھنے والا نہیں میں ایسے تیر کی رغبت کرتا ہوں۔ جو جدا ہونے والا نہیں اور موت سے ملاقات کرنے والا کونسی جانب قصد کر سکتا ہے۔"

اس کے بعد آپ شیر کی طرح شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور ظہر تک نہایت بے جگری سے لڑتے رہے اس اثناء میں آپ کو کئی زخم لگ چکے تھے لیکن آپ کی جبینِ ہمت پر شکن تک نہ آئی۔ ایک موقع پر کسی سیاہ فام شخص نے آپ کو گالی دی تو آگے بڑھ کر اس پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ آخر ایک شامی نے ایک پتھر آپ کے سر پر دے مارا جس سے شدید زخم آیا۔ اور سر اور ماتھے سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے اس وقت آپ کی زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

ترجمہ "ہم وہ نہیں جن کی ایڑیوں پر پُشت پھیرنے کی وجہ سے خون گرتا ہے بلکہ سینہ سپر ہونے کی وجہ سے ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے۔"

خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے بے انتہا نقاہت ہو گئی تھی۔ اسی حالت میں شامیوں نے نرغہ کر کے آپ پر تلواروں کی بارش کر دی۔ آپ شہید ہو کر زمین پر گر گئے اور شامیوں نے آپ کا سر کاٹ لیا حجاج نے آپ کا سر دمشق میں عبد الملک کے پاس بھجوا دیا اور آپ کی لاش کو ایک اونچی جگہ پر سولی پر لٹکوا دیا شہادت کے تیسرے دن آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ مقام حجون تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ کے فرزند کی لاش سولی پر لٹکی ہوئی تھی اتفاق سے حجاج بھی وہاں موجود تھا۔ حضرت اسماءؓ کو بتایا گیا کہ حجاج آپ کے قریب کھڑا ہے تو آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا"

حجاج نے آپ کی لاش حضرت اسماءؓ کو دینے سے انکار کر دیا ایک روایت میں ہے کہ عبدالملک کو کسی ذریعے سے اطلاع ملی کہ حجاج نے ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے نہیں کی تو اس نے حکم بھیجا کہ فوراً ان کی لاش حضرت اسماءؓ کے سپرد کر دی جائے چنانچہ حجاج نے حضرت ابنِ زبیرؓ کی لاش ان

کی غم زدہ ماں حضرت اسماءؓ کے سپرد کردی۔ جنہوں نے اُسے غسل دلوا کر جحون میں سپرد خاک کردیا۔

نوٹ: اس باب میں جمع شدہ روائتوں کا زیادہ حصہ ہم نے محترم جناب طالب الہاشمی صاحب کی صحابہ کرامؓ پر لکھی گئی مختلف کتابوں سے اخذ کیا ہے اللہ پاک ان کو جزائے خیر سے نوازیں

بعض بزرگوں کے آخری لمحات کے واقعات

ذیل میں ہم چند ایسے واقعات درج کرتے ہیں جن کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔

۱۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ:

وفات کے وقت آپ نے مجلس میں حاضر مشائخین سے فرمایا کہ آپ حضرات یہاں سے ہٹ کر ملائکہ کے لئے جگہ چھوڑ دیں چنانچہ سب باہر نکل گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اندر سے یہ آواز سنائی دی۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي جَنَّتِي (اے میرے مطمئن نفس اپنے مولیٰ کی طرف چل)

جب کچھ دیر کے بعد اندر سے آواز آنی بند ہوگئی اور لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو آپ وفات ہو چکی تھیں۔

۲۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے آخری لمحات میں آپ نے فرمایا کہ مجھے پیغمبروں پر اس لئے رشک نہیں آتا کہ ان کے لئے بھی قبر و قیامت اور جہنم و پل صراط کا مرحلہ ہے اور وہ بھی نفسی نفسی

کی منزل سے گزریں گے اور ملائکہ پر اس لئے رشک نہیں آتا کہ وہ انسانوں سے بھی زیادہ خوف زدہ رہتے ہیں۔ البتہ ان پر ضرور رشک آتا ہے جنہوں نے شکم مادر سے جنم ہی نہیں لیا۔ انتقال کے وقت آپ کی دو صاحبزادیاں موجود تھیں آپ نے زوجۂ محترمہ سے فرمایا کہ میرے بعد ان دونوں کو کوہ ابو قبیس پر لے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرنا کہ فضیل نے زندگی بھر انہیں پرورش کیا اور اب جب کہ وہ قبر میں جا چکا ہے تو یہ دونوں تیرے سپرد ہیں چنانچہ بیوی نے وصیّت پر عمل کیا اور ابھی دُعا میں مشغول تھیں کہ سلطان یمن ادھر آنکلا اور اس نے دونوں صاحبزادیوں کو اپنی کفالت میں لے کر ان کی والدہ کی اجازت کے بعد ان دونوں کی اپنے دونوں لڑکوں کے ساتھ شادیاں کر دیں۔

۳۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

منقول ہے کہ موت کے قریب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کی طبیعت کس چیز کو چاہتی ہے؟ تو فرمایا میری خواہش صرف یہ ہے کہ موت سے قبل مجھے آگاہی حاصل ہو جائے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

ترجمہ: خوف نے مجھے مریض بنا دیا اور شوق نے جلا دیا
اور محبت نے مجھے فنا کر دیا، اور اللہ نے زندہ کر دیا

اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہو گئی اور کچھ ہوش آنے کے بعد جب یوسف بن حسین نے وصیّت کرنے کے لئے عرض کیا تو فرمایا:

اس وقت میں خدا کے احسانات میں گم ہوں۔ اس لئے تم کوئی بات نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کا انتقال ہو گیا:

۴۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ہمہ وقت اللہ اللہ کا ورد جاری رکھتے اور عالم نزع میں بھی آپ کی زبان

پر اللہ ہی کا نام تھا۔ اور موت سے قبل آپ نے فرمایا کہ اے اللہ میں دنیا میں غفلت کی وجہ سے تیری عبادت سے محروم رہا۔ اور اب آخری وقت میں بھی تیری عبادت سے غافل ہوں۔ اس کے باوجود تیری رحمت کا متمنّی ہوں۔

یہ کلمات زبان پر تھے کہ آپ کی روح پرواز کر گئی۔

۵ - حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

عالم نزع میں آپ نے وصیت نامہ میں تحریر کر دیا تھا اور زبانی بھی لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ فلاں شخص سے کہہ دینا کہ وہ مجھ کو غسل دے لیکن وفات کے بعد جب وہ شخص مصر سے واپس آیا تو لوگوں نے وصیت نامہ اور زبانی وصیت اس تک پہنچا دی۔ وصیت نامہ میں تحریر تھا کہ میں ستر ہزار کا مقروض ہوں۔ یہ پڑھ کر اس شخص نے قرض ادا کیا اور لوگوں سے کہا کہ غسل سے آپ کی یہی مراد تھی۔

۶ - حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

انتقال کے وقت آپ کے صاحبزادے نے جب آپ کا حال پوچھا تو فرمایا جواب کا وقت نہیں ہے۔ پس یہ دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرما دے۔ کیونکہ ابلیس لعین کہہ رہا ہے کہ تیرا ایمان سلامت لے جانا میرے لئے باعثِ ملال ہے۔ اس لئے دم نکلنے سے قبل مجھے سلامتی ایمان کے ساتھ مرنے کی توقع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل فرما دے۔ یہ کہتے کہتے رُوح پرواز کر گئی۔

۷ - حضرت ابو سلمان دارائی رحمۃ اللہ علیہ

انتقال کے وقت لوگوں نے عرض کیا کہ اب آپ اس خدا کے پاس جا رہے ہیں جو غفور الرحیم ہے لہٰذا ہمیں کوئی بشارت دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تو اس خدا کے پاس جا رہا ہوں جو گناہ صغیرہ پر محاسبہ کرتا ہے اور گناہ کبیرہ پر سزا دیتا ہے۔ یہ کہتے کہتے ان کی روح بدن کو چھوڑ گئی۔

۸ - حضرت محمدؒ سماکؒ رحمۃ اللہ علیہ

حالت نزع میں آپ نے فرمایا۔ اے اللہ میں گناہ کے ارتکاب کے وقت بھی تیرے محبوب بندوں کو محبوب رکھتا تھا لہٰذا اس کے صلہ میں میری مغفرت فرمادے۔

۹ - حضرت سریؒ سقطی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب عالم نزع میں میں نے ان کی مزاج پُرسی کی تو فرمایا کہ بندہ تو مملوک ہے اور اس کو کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں پھر جب میں نے نصیحت کے لئے درخواست کی تو فرمایا کہ مخلوق میں رہتے ہوئے خالق سے غافل نہ ہونا۔ یہ کہا اور اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

۱۰ - حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

وفات کے وقت لوگوں سے فرمایا کہ مجھ کو وضو کراؤ۔ لیکن وضو کے دوران انگلیوں میں خلال کرنا بھول گئے تو آپ کی یاددہانی پر خلال کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے سجدے میں گر کر گریہ وزاری شروع کر دی۔ اور جب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ اس قدر عابد ہو کر روتے کیوں ہیں تو فرمایا کہ اس وقت سے زیادہ میں کبھی محتاج نہ تھا۔ پھر تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو کر فرمایا کہ اس وقت قرآن سے زیادہ میرا کوئی مونس نہ تھا۔ اور اس وقت میں اپنی عمر بھر کی عبادت کو اس طرح ہوا میں مُعلّق دیکھ رہا ہوں کہ جس کو تیز و تند ہوا کے جھونکے ہلا رہے ہیں اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ ہوا فراق کی ہے یا وصال کی اور دوسری طرف فرشتۂ اجل اور پلصراط ہے اور میں عادل قاضی پر نظر لگائے ہوئے ہوں۔ اور اس بات کا منتظر ہوں کہ نہ جانے مجھ کو کدھر جانے کا حکم دیا جائے۔ اس طرح آپ نے سورہ بقرہ کی ستر آیات تلاوت فرمائیں اور عالم سکرات میں جب لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اللہ کہئے تو فرمایا کہ میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوں۔ پھر انگلیوں پر وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا اور جب داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت پر پہنچے تو انگلی اوپر

اُٹھا کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا اور آنکھیں بند کرتے ہی فوت ہو گئے۔

۱۱- حضرت علی سہل اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا میری موت اس طرح واقع نہ ہوگی کہ بیمار پڑوں اور لوگ عیادت کو آئیں بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے پکارے گا اور میں حاضر ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ راہ چلتے چلتے آپ نے لبیک کہا تو میں نے کلمہ پڑھنے کی تلقین کی۔ مگر آپ نے فرمایا کہ تم مجھے کلمے کی تلقین کرتے ہو حالانکہ میں عزّتِ خداوندی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے اور اس کے مابین عزّت کے سوا کوئی شے حائل نہیں۔ یہ کہا اور راہی ملک بقا ہو گئے۔

۱۲- حضرت شیخ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ

انتقال کے وقت جب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے تو فرمایا کہ میں نے چالیس سال اپنے قلب کی اس طرح نگرانی کی ہے کہ یادِ الٰہی کے سوا اس میں کسی کو جگہ نہیں دی۔ حتیٰ کہ میرے قلب نے خدا کے سوا ہر شے کو فراموش کر دیا تھا۔ پھر فرمایا اگر یہ میرا آخری وقت نہ ہوتا تو میں اس راز کو افشا نہ کرتا۔ یہ کہہ کر انتقال کر گئے۔

آخری لمحات میں فریب شیطانی سے بچاؤ کی تدبیریں

۱۔ ایمان کی برابر حفاظت کی جائے۔

۲۔ غفلت کو خود پر غالب نہ آنے دیا جائے۔

۳۔ تقویٰ اختیار کیا جائے۔

۴۔ توبہ و استغفار سے کام لیا جائے۔

۵۔ جنابت کی حالت میں تھوڑی دیر تک بھی بے وضو نہ رہے اور جلد از جلد غسل کرے۔

۶۔ اپنے نفس۔ اپنے مکان۔ اپنے لباس کو ایسے چیزوں سے پاک رکھا جائے جن کے ہوتے ہوئے رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے مثلاً تصویر۔ کتا۔ غسل کی حاجت والا آدمی۔ ناپاک لباس وغیرہ۔

۷۔ ماں باپ کو راضی رکھا جائے کیونکہ ان کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے اور اس طرح کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

۸۔ آخری وقت پر وہاں حاضر ہونے والے لوگ کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کریں یعنی خود پڑھیں اور مرنے والے کو مجبور نہ کریں شاید انکار کر بیٹھے۔

۹۔ مرنے والے کے پاس قرآن مجید پڑھا جائے بالخصوص سورۃ یسین اس سے اللہ تعالیٰ آسانی کر دیتے ہیں۔

۱۰۔ ذکر و تسبیح کو اپنا شعار بنایا جائے نماز کی پابندی کی جائے۔

۱۱۔ اپنا محاسبہ روزانہ رات کو سوتے وقت کیا جائے۔

۱۲۔ آفاق و نفس میں غور و فکر کیا جائے۔

ہماری مطبوعات

① سرورِ عالم کی چند انقلاب آفریں آئیں	محمد کلیم ارائیں	۴۸/-
② معجزاتِ سرورِ عالم ؐ	ولید الاعظمی : ترجمہ حافظ محمد ادریس	۳۷/۵۰
③ حضرت عثمان غنی رضؓ محافظِ امت	ابن عبد الشکور	۳۲/-
④ حضرت علی رضؓ فاتح خیبر	علی اصغر چوہدری	۳۶/-
⑤ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضؓ	علی اصغر چوہدری	۲۱/-
⑥ حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو بن العاص : ایک درویش صحابی رضؓ	ابن عبد الشکور	۲۰/-
⑦ مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل	سید عبد الصبور طارق	۳۹/-
⑧ قافلہ سخت جاں صدر ناصر اور اخوان المسلمون	عربی تالیف: حامد ابو نصر مرشدِ عام ترجمہ : حافظ محمد ادریس	۶۵/-
⑨ مجدد الف ثانی رحؒ کی تحریک احیائے اسلام اور سلاطینِ مغلیہ (مجلد)	پروفیسر ابصار عالم	۸۱/-
⑩ آپا حمیدہ بیگم رحؒ	مرتبہ : پروفیسر فروغ احمد	۵۵/-
⑪ جدید فقہی مسائل (حصہ اول)	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۴۸/-
⑫ (حصہ دوم)	" " "	۲۰/-
⑬ تحریکی کارکن رزم گاہِ حیات میں (مجموعہ تقاریر)	مرتبہ : اختر حجازی	۱۶/۵۰
⑭ مشرقی پاکستان کی یادیں	سید اسعد گیلانی	۲۷/-
⑮ بدلتے نصب العین (نیا ایڈیشن)	خواجہ اقبال احمد ندوی	۲۲/-
⑯ اسلام جس سے مجھے عشق ہے	عبداللہ اڈیار (بھارتی نومسلم)	۸/۲۵
⑰ اجتہاد اور اوصافِ مجتہد	مولانا گوہر رحمن	۱۲/-
⑱ نگارخانہ عظمت میں	شفیق الاسلام فاروقی	۱۶/۵۰
⑲ حیاتِ مومن کے آخری لمحات	علی اصغر چوہدری	۳۶/-
⑳ اسلام میں عورت کا مقام	مولانا عاصم نعمانی	۱۸/-